اداریے

آپ کون ھیں؟

مصنّف

الحاج مولانا سید محمد جابر باقری جوراسی واعظ

باسمہ تعالیٰ

آپ کون ہیں؟

مصنّف

الحاج مولانا سید محمد جابر باقری جوراسی صاحب قبلہ

ناشر

ادارۂ اصلاح، مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

آپ کون ہیں؟

مشخّصات

نام کتاب	:	آپ کون ہیں
مصنف	:	الحاج مولا سید محمد جابر باقری جوراسی
صفحات	:	۲۱۶
سنہ طباعت	:	جون ۲۰۱۶ء
کمپوزنگ	:	وصی اختر معروفی
مطبوعہ	:	پنچ شیل آفسیٹ پریس، لکھنؤ
کور ڈیزائن	:	وزیر حسن چندہؔ
قیمت	:	۸۰/روپیہ
ناشر	:	ادارۂ اصلاح، لکھنؤ

www.islah.in

فہرست

عرض مرتب

باسمہ تعالیٰ

"من عرف نفسہ فقد عرف ربّہ"

اپنے کو پہچان لینا بظاہر تو بہت آسان ہے لیکن بباطن بہت سخت، اگر یہی مرحلہ صحیح طے ہو جائے تو بہت سے مشکلات خود بخود حل ہو جائیں۔ اپنے کو پہچاننا اور اپنی ذمہ داریوں سے آشنا ہونا دنیا و آخرت دونوں جگہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ ایک اہم و ضروری موضوع ہے جس پر ضرورت ہے کہ لوگوں تک معلومات پہنچیں اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مدیر ماہنامہ اصلاح عم محترم عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب قبلہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ قابل ذکر ہے کہ موصوف نے تقریباً نصف صدی پر محیط اپنے قلمی جہاد میں ہر موضوع پر لکھا، سماج کی ضرورتوں کو محسوس کیا تو قلم اٹھایا، مذہب اہل بیتؑ پر کوئی اعتراض ہوا تو دندان شکن جواب دیا، مذہب حقہ پر کوئی آنچ آئی تو سامنے آئے۔ آپ نے اس طرح کے بہت سے موضوعات کو ماہنامہ اصلاح کے اداریہ میں سلسلہ وار لکھا یا ماہنامہ الواعظ کے اپنی آٹھ سالہ ادارت کے دور میں اداریہ میں لکھا۔

"آپ کون ہیں؟" اس عنوان پر بھی آپ نے ماہنامہ اصلاح کے صفحات پر سلسلہ وار اپنے اداریہ میں مختلف مسائل کو اٹھایا اور ہمیشہ کی طرح سادہ اور سلیس زبان میں فرد اور اجتماع میں پائے جانے والے بہت سارے مسائل

اوران کا راہ حل پیش کیا۔ یقیناً یہ کتاب ہر طبقہ کے افراد کے لئے انتہائی مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جیسا کہ عرض کیا کہ یہ سلسلہ ماہنامہ اصلاح میں اداریہ کے طور پر شائع ہوا ہے، لہذا مولف محترم نے عنوان کے تحت اکثر قسطوں میں اس مہینہ کی خاص مناسبت کا بھی خیال رکھا ہے لہذا مطالعہ کے ضمن میں مہینہ اور اس کی خاص مناسبت بھی مدنظر رہے تو بات مزید واضح ہوگی، اسی وجہ سے ہر عنوان کے شروع میں مہینہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

فقط

سید محمد حسنین باقری

نائب مدیر ماہنامہ اصلاح، لکھنؤ

باسمہ تعالیٰ

آپ کون ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، شوال المکرم، ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ، جنوری، فروری ۲۰۰۱ء)

"تجسس"

انسان میں ایک مذموم خصلت ہوتی ہے کہ فلاں کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا؟ اس کے عادات واطوار کیا ہیں؟ اس کے راز کون کون سے ہیں؟۔ اچھائیوں سے مطلب نہیں اس کے اندر برائیاں کتنی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

ستّار العیوب معبود کو انسان کی یہ عادت بالکل ناپسند ہے اسی لئے اس نے منع کیا ہے کہ: "تجسّس نہ کرو! غیبت سے بچو، دوسروں کے عیوب تلاش کرتے نہ پھرو!":

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا (حجرات ۱۲)

'اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو'۔

اس کے برعکس شریعت نے تاکید کی ہے کہ دوسروں کا جائزہ لینے کے بجائے اپنے نفس کا محاسبہ کرو! اپنے اندر چھپی ہوئی برائیوں کو تلاش کرو۔ اپنی خامیوں پر نظر رکھو اور انہیں دور کرو!

جیسا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ فَإِنْ عَمِلَ

خَیْرًا اسْتَزَادَ اللہ مِنْہُ وَ حَمِدَ اللہ عَلَیْہِ وَ اِنْ عَمِلَ شَیْئًا شَرًّا اسْتَغْفَرَ اللہ وَ تَابَ اِلَیْہِ۔ (اختصاص، ص ٢٦)

جو شخص روزانہ اپنا محاسبہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے تا کہ اگر نیکی کی ہو تو خدا اس میں زیادتی واضافہ کی دعا کرے اور اگر برائی کی ہو تو خدا سے استغفار و توبہ کرے۔

اس تحریر کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ کی برائیاں اچھالی جائیں۔ آپ کو بر سر عام رسوا کیا جائے اس غیر معصوموں کی بزم میں دودھ کا دھلا کوئی نہیں ہے آپ ان سوالات کی روشنی میں خود اپنے نفس کا محاسبہ کیجئے تھوڑی دیر گردن جھکا کر سوچئے۔ اور جواب میں ان سوتوں کو بند کیجئے جن سے گندگی رس رس کر معاشرہ کو آلودہ کر رہی ہے۔ اور اس حقیقت کو کبھی نہ فراموش کیجئے کہ بعض جرائم صرف ذاتی نہیں ہوتے بلکہ وہ پورے ماحول پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور ان کا محتسب وہ عادل حقیقی ہے جس کے حساب میں کوئی بھول چوک کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

سائل بھی اپنے کو ان سوالات کے دائرے سے الگ نہیں رکھ سکتا اور حق یہ ہے کہ دوسروں سے سوال کرنے سے پہلے اسے اپنے نفس سے سوال کرنا چاہئے۔ تو اطمینان رکھئے، بہت سے ایسے مقامات آسکتے ہیں، جہاں سے خود اپنی تصویر نظر آئے گی۔ ہاں اس کے امکانات بہر حال ہیں کہ احتساب نفس میں آپ اس پر غیر معمولی سبقت لے جائیں۔ آیئے ہم آپ مل کر اس وادی میں قدم رکھتے ہیں۔ مرحلہ سخت ہے خطرناک گھاٹیاں ہیں۔ لیکن کوئی خطرہ آخرت کے خطرے سے بڑا نہیں۔ جمود ٹوٹے قدم کچھ تو آگے بڑھیں۔ ارحم الراحمین توفیقات خیر سے نوازنے میں تاخیر نہیں فرماتا۔

کیا آپ انسان ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ، مارچ ۲۰۰۱ء)

اگر آپ واقعاً انسان ہیں تو آپ کو اس کا بھی احساس ضرور ہوگا کہ انسانی قدریں بری طرح پامال ہو رہی ہیں اور انسانی ہمدردی کا جو وجود ملتا بھی ہے وہ زیادہ تر نمائشی ہوتا ہے اگر اس میں اضافہ ہوتا رہا تو نتیجہ کیا ہوگا؟ فرائض سے خطرناک حد تک غفلت اور حقوق سے زیادہ حاصل کر لینے کی عجلت، ایثار و قربانی کے جذبے سرد خانوں میں ہوں گے اور لالچ و خود غرضی کے شعلے شرافت و آدمیت کو لقمۂ اجل بنا لینے کے لئے بیتاب ہوں گے۔

نفسی نفسی کی وبا جب عام ہوتی ہے تو کوئی نہیں بچتا جو اس کے نقصانات سے اپنے دامن کو بچالے جائے لہذا قدریں پامال کرنے والے خود بھی آہستہ آہستہ پامالی کی زد میں آجاتے ہیں کیا آپ کو یہ خواہش ہے کہ آپ کو کچھ ملے، آپ کی حیثیت بنے، آپ کا رتبہ بلند ہو، آپ کی طرف لوگ متوجہ ہوں، لوگ آپ کے کام آئیں، آپ پر کوئی مصیبت آئے تو لوگ دوڑ پڑیں؟۔ تو پہلے یہ جائزہ ضرور لے لیجئے کہ خود آپ میں انسانیت کو برتنے کی کتنی صلاحیت موجود ہے ؟ کیا آپ نے کسی کے ہاتھ پر بغیر نمائش کئے ہوئے کچھ خلوص سے رکھا۔ کیا آپ

نے بھی کسی کے مرتبہ اور حیثیت کو تسلیم کیا۔ کیا آپ کبھی دوسروں کی طرف بغیر لالچ کے متوجہ ہوئے آپ یہ تو دیکھتے رہے کہ کس کس نے آپ کو سلام کیا کس کس نے نہیں کیا۔ لیکن آپ کے ہونٹ بھی کسی کو سلام کرنے کے لئے ہیں۔ اور اگر ہونٹوں کو جنبش ہوئی بھی تو کس کے لئے، خواص کے لئے یا عوام کے لئے۔ آپ دوسروں کے کتنا کام آئے۔ آپ نے دوسروں کی مصیبتوں میں کتنا ہاتھ بٹایا؟

متعدد مواقع پر آپ کو کسر شان کا احساس ضرور ہوا ہوگا مگر کہاں جائز احساس ہوا کہاں ناجائز اس کا بھی کبھی آپ نے جائزہ لیا؟ اگر نہیں تو یقیناً اخلاقی کمزوریوں نے آپ کے دل کو اپنا بسیرا بنالیا ہے۔ اس میں نفاق کے پودے کی آبیاری ہو رہی ہے۔ علاج آپ کے ہاتھ میں ہے دوسروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیجئے جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہوں۔ ریا کاری کو پرے لگا کر آپ دوسروں سے حُسن اخلاق سے پیش آیئے۔ دلوں کو جیتنے میں مشکل نہ پیش آئے۔ مال و منال سے ظاہری عزت تو کرائی جاسکتی ہے دل نہیں جیتے جاسکتے۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل خاندان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اے خانوادہ عبد المطلب! تم لوگ بنی نوع انسان کو مال سے فیضیاب کرنے کی سکت نہیں رکھتے ہو۔ لیکن دیکھو ہر ایک سے خوش اخلاقی سے ضرور ملنا“۔

لیکن اس کا دھیان ضرور رہے کہ یہ خوش اخلاقی ایمان کے پرتو میں ہونا چاہئے نفاق کے زیر سایہ نہیں۔

حکیم امت حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ: ”منافق کی باتیں بڑی دلچسپ

کیا آپ بے حس ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اپریل ۲۰۰۳ء، صفر المظفر ۱۴۲۴ھ)

زود حس ہونا انسان کے چین کو سکون کو غارت کر دیتا ہے لیکن بے حس ہونا اقدار انسانیت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے بے حسی کی سرحدیں بڑی حد تک خود غرضی سے ملی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ بہت سے ہمیں ایسے افراد ملتے ہیں جو اپنے ذاتی معاملات و مفادات میں تو بہت حساس ہوتے ہیں لیکن دوسروں کے معاملات میں بالکل بے حس انہیں اپنا ذرا سا بھی خسارہ برداشت نہیں ہوتا اور دوسروں کا بڑے سے بڑا نقصان ہوتا ہے اس کی انہیں مطلقا پروا نہیں ہوتی۔ یہ بے حسی لوگوں کو کس تباہی کے دہانے تک لے جانے والی ہے اس کا اندازہ اس حدیث رسول سے بخوبی ہو سکتا ہے:

"یاتی علی الناس زمان ------لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب وہ اپنے دنیاوی چین و سکون میں مگن ہوں گے اور انہیں اپنے دین کی تباہی پر کوئی افسوس نہیں ہوگا"۔ (تحف العقول صفحہ ۵۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشگوئی کی من و عن تصدیق حالات حاضرہ کر رہے ہیں جب مسلمانوں کا ایک طبقہ عیش و عشرت میں پڑا ہوا ہے اور دوسرا

طبقہ قتل و غارت بھوک و افلاس کا شکار ہے ہمارے شادی بیاہ کی تقریب میں کتنا اصراف ہوتا ہے ہمارے گھروں میں ضرورت سے زیادہ کتنا سامان بھرا پڑا ہے ہم کتنا پیسہ فضول خرچی کی نذر کر دیتے ہیں اور برادر دینی کے ضروریات واجبی کے سلسلہ میں بھی بالکل بے حس بن جاتے ہیں کیا یہ ہمارا فریضہ نہیں کہ ہم، ہم آواز ہو کر دنیا کے مظلوموں کی حمایت کریں اور ظالموں کے خلاف اگر عملاً کچھ نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم نفرت کا اظہار ہی کریں اور اجتماعی طور سے صدائے احتجاج بلند کریں اس کے بجائے یا تو ہم عیش و عشرت میں پڑے ہوئے ہیں یا کھیل کود میں گم ہیں۔ بے حسی کی انتہا ہی ہے کہ ہم کو اس کی تشویش نہیں کہ آج کتنے مظلوموں پر قہر ٹوٹا۔ اس کی فکر ضرور ہے کہ آج کس کا کیا اسکور رہا۔ جبکہ پیغمبر اسلامؐ کا صریحی ارشاد ہے:

"کل لھو ------ ہر کھیل مومن کے لئے باطل ہے سوائے تین

۱۔ گھوڑ دوڑ کی تربیت۔ ۲۔ تیر اندازی کا سبق، ۳۔ اپنے ہمسر کے ہمراہ کھیل۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۸۳)

یہ تو ایک مثال ہے ورنہ مشاہدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ بے حسی کی زندگی جی رہا ہے۔ ان کے مقدسات کی توہین ہو رہی ہے ان کے مالی ذخائر پر غیروں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے ان کے دین سے کھلی عداوت بڑھتی جا رہی ہے خود انہیں میں سے ایک کو مارنے کے لئے دوسرے کو ہتھیار بنایا جا رہا ہے۔ لیکن انہیں کسی بھی موجودہ آئندہ خطرہ کا احساس نہیں۔ سوچ سکتے ہوں تو سوچئے کہ آپ کی اس بے حسی نے آپ کی دینی حمیت تک کو مردہ بنا دیا ہے جب کہ امام انقلاب سید الشہداء امام حسینؑ کا یہ قول آپ کو جھنجھوڑ رہا ہے:

''میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو اذیت سمجھتا ہوں''۔ (تحف العقول صفحہ ۲۴۵)

اس کے برعکس موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ظالمین کے ساتھ تو یارانہ ہے۔ مظلوم کے ساتھ صرف زبانی جمع خرچ ایسے میں قہر الٰہی کا انتظار زیادہ مناسب ہے۔

❀❀❀

کیا آپ محروم ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح مئی ۲۰۰۳ء، ربیع الاول ۱۴۲۴ھ)

بہت سوں کو آپ محرومی کا کارنا روتے ہوئے پائیں گے۔ ہمیں یہ نہیں ملا ہمیں وہ نہیں ملا۔ فلاں حق ہمارا تھا وہ ہمیں نہیں ملا۔ فلاں چیز سے ہمیں محروم کر دیا گیا اور کبھی کبھی یہ شکوہ احتجاج باقاعدہ اللہ بزرگ و برتر سے شروع ہو جاتا ہے اگر آپ بھی انہیں لوگوں میں ہیں تو یقین کیجئے آپ بڑی سخت دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں آپ نہ شکر رب پر کمر بستہ ہیں جو سلب نعمات کا ایک نبیادی سبب ہے۔

محرومین کے طبقات ہیں۔ ایک وہ طبقہ ہے جس کی محرومیاں امتحاناً ہیں۔ یہ طبقہ محرومیوں پر جتنا صبر کرے گا اتنا ہی وہ منجانب اللہ اجر حسنہ کا مستحق ہوگا محرومین کا ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو حد سے زیادہ لالچ کرتا ہے۔ جائز ناجائز ہر طرح سے سب کچھ حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ اس کی لمبی لمبی آرزوئیں ہی اس کا کام تمام کر دیتی ہیں اور ایک دن وہ ''طلب الکل فوت الکل'' (سب کچھ حاصل کرنے کی طلب سب کچھ ضائع کرا دیتی ہے) کا عبرت خیز مرقع نظر آتا ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''اَشْرَفُ الْغنا تَرْکُ الْمُنٰی '' (نہج البلاغہ کلمہ ۳۴)۔

بہترین دولتمندی تمناؤں کا ترک کرنا ہے۔

آپؑ ہی نے ارشاد فرمایا ہے:

"من اطال الامل اساء العمل" (کلمہ ۳۶) جس نے لمبی لمبی آرزوئیں کیں اس نے اپنے اعمال کو بگاڑ لیا۔ آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

"انما ہلک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (ترجمہ) تم سے پہلے والی امتیں اپنی لمبی آرزوؤں اور اپنی موت کے وقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ یہاں تک کہ ان کو موت نے آلیا۔ جو عذروں کو مسترد کر دینے والی اور اس کے آنے سے توبہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جس کے ساتھ ہی جزا اور سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ (کلمات قصار نہج البلاغہ)

امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

"(ترجمہ) اللہ تعالی نے فرمایا: "مجھے اپنے عزت وجلال بزرگی وبلندی عرش کی قسم ہے جو بھی میرے علاوہ کسی دوسرے سے امید وابستہ کرے گا تو میں اس کی امید کو منقطع کر دوں گا اور لوگوں کی نگاہوں میں اسے لباس ذلت پہناؤں گا اپنے قریب سے ہٹاؤں گا اور اسے اپنی ملاقات سے محروم کر دوں گا مشکلات و مصائب کے وقت وہ میرے غیر سے امید رکھتا ہے۔ جب کہ مشکلات میرے ہاتھ میں ہیں وہ میرے غیر سے لو لگاتا ہے اور اس کے دروازے پر دستک دینے کی سوچتا ہے جب کہ دروازوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔"

(سفینۃ البحار، جلد ۱، صفحہ ۳۱)

دنیا ہی میں جنت کے خواب دیکھنے والے کاندھوں پر تمناؤں کا بوجھ اٹھائے در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور سوائے مایوسی کے انہیں کچھ نہیں ہاتھ آتا تھک ہار کر وہ بالآخر معبود کے آگے سر نیاز خم کرتے ہیں تو ارحم الرحیم انہیں

مایوس نہیں فرماتا۔لیکن اللہ کے در پر سر جھکانے والوں میں سے ایک گروہ یہاں بھی محروم ہی رہتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے کاندھوں پر حقوق العباد کا وزن ہے یہ وہ گروہ ہے جس نے کسی کو اذیت دی ہے کسی کو ستایا ہے کسی کو توہین کی ہے کسی کے حقوق کو ضائع کیا ہے۔ پریشانی کے عالم میں یہ گروہ غرور کے سبب ان سے معافی نہیں مانگتا ان سے معذرت نہیں کرتا جن کے اس پر حقوق ہیں اور بعد از خرابی بسیار وہ فقط اللہ ہی سے رجوع کر کے انتظار کی گھڑیاں گنتا رہتا ہے اس گروہ کو اللہ کی بارگاہ میں بھی سر جھکانے سے فائدہ نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کے عمل میں کھوٹ اور نیت میں ملاوٹ ہے۔ یہ محروموں کی تیسری قسم ہے کہ جو دوسروں کو محروم رکھنے کے بجائے خود محروم ہے کسی پر کسی ہمسایہ کا حق ہے کسی پر کسی برادر مومن کا حق ہے کسی پر یتیم کا حق ہے کسی پر کسی بیوہ کا حق ہے کسی پر کسی غریب سائل کا حق ہے۔ کسی پر باپ کا حق ہے کسی پر ماں کا حق ہے کسی پر اولاد کا حق ہے۔ کسی پر شوہر کا حق ہے کسی پر زوجہ کا حق ہے کسی پر بھائی کا حق ہے انسان دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کی وجہ سے اپنے حقوق سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے انسان متوجہ ہو یا نہ ہو اپنے کئے کے انجام، ردعمل، مکافات عمل سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔

ثمرات اوراق ابن حجۃ حمدی میں ایک حکایت نقل ہوئی جو مرقع عبرت ہے:

''دستر خوان پر بھنا ہوا مرغ تھا اور ایک مرد مع اپنی بیوی کے کھانا کھا رہا تھا۔اسی درمیان ایک سائل نے دروازے پر صدا دی اور روٹی کا سوال کیا وہ شخص غصہ کے عالم میں دستر خوان سے اٹھا اور جھڑک کر فقیر کو بھگا دیا۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا وہ شخص انتہائی مفلس ہو گیا اور اپنی تنگ دستی کی وجہ سے اس نے اپنی بیوی کو بھی

طلاق دے دی مطلقہ عورت کی دوسری جگہ شادی ہوگئی وہ عورت ایک مرتبہ اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ دستر خوان پر تھی اور آج بھی بھنا ہوا مرغ موجود تھا۔ سائل نے دروازہ پر سوال کیا شوہر نے بیوی سے کہا یہ بھنا ہوا مرغ لے جا کر سائل کو دے دو۔ عورت جب مرغ دے کر واپس پلٹی تو رو رہی تھی ۔ شوہر نے رونے کا سبب پوچھا تو عورت نے بتایا کہ یہ سائل میرا پہلا شوہر تھا۔ ایک دن اسی طرح ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے، جیسے آج ہم تم کھا رہے تھے اسی طرح دستر خوان پر بھنا ہوا مرغ بھی تھا جیسے آج سائل نے سوال کیا اس دن بھی سائل نے سوال کیا تھا۔ مگر میرے اس پہلے شوہر نے اسے دھتکار کر بھگا دیا تھا اور آج یہ نوبت آئی ہے کہ وہ شخص خود فقیر ہو گیا ہے۔ در پر روٹی کا سوال کر رہا ہے۔ دوسرے شوہر نے جواب دیا، جس سائل کو اس نے دھکے دے کر بھگا دیا تھا وہ میں ہی تھا۔“

اللہ کب کسی کے حالات پلٹ دے وہی جانتا ہے لہذا اپنی محرومیوں کا اللہ یا دوسروں سے شکوہ کرنے کے بجائے اپنے نفس کا جائزہ لیجئے۔ کہ یہ صورتحال آپ کے کسی عمل کا خمیازہ تو نہیں۔

❁❁❁

کیا آپ بیوقوف ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جون ۲۰۰۳ء، ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ)

اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا کہ اس کا جواب کسی سے ہاں میں مل جائے اس کی افتاد ہی یہ ہے کہ بیوقوف خود کو دنیا کا سب سے بڑا عقلمند سمجھتا ہے اس لئے نہ وہ کسی کی بات مانتا ہے نہ کسی کے نیک مشورہ پر کان دھرتا ہے۔ اپنی جیسی کئے جاتا ہے اور خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں تھک ہار کر وہ صحیح راستے پر آتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

؎ ہر چہ دانا کند کند ناداں　　　لیک بعد از خرابیٔ بسیار

جامع ترین سماجی نظام دین اسلام نے بڑے سے بڑے عقلمند کو بھی صائب الرائے حضرات سے صلاح و مشورہ سے عاری نہیں قرار دیا ہے جو فقط اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے اگر آپ میں خود رائی کا مرض ہے تو آپ صحیح الدماغ نہیں ہیں احمق پن سے ہمیں اور آپ کو دونوں کو پناہ مانگنا چاہئے۔ احمق خود تو برباد ہوتا ہی ہے جو اس سے مباحثہ کرتا ہے وہ بھی مردہ دل ہو جاتا ہے گرامی منزلت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''چار چیزیں دل کو مردہ بنا دیتی ہیں۔ ۱۔ گناہ پر گناہ کئے جانا، ۲۔ عورتوں کے ساتھ زیادہ بات چیت کرنا (ان کے نقص عقل پر سند موجود ہے)۔ ۳۔ احمق سے لاحاصل مباحثہ کرنا کہ تم جو کچھ بھی کہو وہ اپنی ہی کہتا رہے گا اور کبھی

نیکی کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ ۴۔اور مُردوں کے ساتھ بیٹھنا'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردہ سے کیا مراد ہیں؟ فرمایا: ہر وہ دولتمند جو اترانے والا ہو۔

(خصال شیخ صدوقؒ حدیث ۶۵ صفحہ ۲۵۲)

کچھ تو انسان خلقۃً ضعیف العقل ہوتا ہے اور وہ معاشرہ میں بیوقوف گردانا جاتا ہے۔ ایسے کو شائد و بائد ہی صحت ملتی ہے الا یہ کہ وہ بیشتر عرصہ عقلمندوں کے چشم و ابرو کا اسیر رہے اس صورتحال سے احمقانہ حرکتیں بہت حد تک کنٹرول میں رہتی ہیں جب کہ ہوتا اس کے برعکس ہے کہ وہ خود تو من مانی کرتا ہی ہے شدت سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ چونکہ بزعم خود عقلمند ہے لہذا دوسرے اس کے اشاروں پر چلیں اور بے چون وچرا اس کی ہر بات پر عمل پیرا ہوں۔ ایسا نہ ہونے پر وہ بری طرح برہم ہو جاتا ہے۔

اور کبھی خارجی عوامل انسانوں کو بیوقوفوں کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں جن میں سے ایک بڑا عامل غرور و تکبر ہے۔ اگر خلقۃً عقل ضعیف ہے جب بھی غرور تکبر کی مذموم صفت انسان میں پائی جائے گی جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: ''جس کی فکری قوت کمزور ہوتی ہے اس میں غرور زیادہ ہوتا ہے۔''

(غرر الحکم، ص ۶۵۱)

''تواضع وانکساری عقلمندی کی بنیاد ہے اور تکبر و خود پسندی بے عقلی کی بنیاد ہے''۔ (غرر الحکم ص ۱۰۲)

اگر خلقۃً عقل کمزور نہیں ہے تو کبر و نخوت کی عادت اسے کمزور بنا دیتی ہے جیسا کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: ''غرور و خود پسندی عقل و خرد کو

برباد کر دیتی ہے۔"(غرر الحکم صفحہ ۲۶)

آپ غصہ سے بے قابو رہتے ہیں تو آپ بیوقوف ہیں۔ اس لئے کہ غصہ جنون کی ایک قسم ہے اور جنون بے عقلی کی دلیل ہے آپ مغرور ہیں تو آپ بیوقوف ہیں آپ میں ہٹ دھرمی وخود رائی ہے تو آپ بیوقوف ہیں لہذا اگر ممکن ہو تو بیوقوفوں کی دوزخ سے نکلئے عقلمندوں کی جنت میں آیئے۔

آپ کا دین زبردست خطرہ میں ہے امام جعفر صادقؑ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ لا دین لمن لا عقل له (جس کے پاس عقل نہیں اس کے پاس دین نہیں) برملا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرفوع القلم حضرات کو چھوڑ کر وہ تمام حضرات جو دانشوری کے زعم میں الٹی سیدھی حرکتیں کر کے بالارادہ بیوقوفوں کی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں وہ اپنی دنیا تو کچھ بنا لیتے ہیں لیکن اپنی آخرت بری طرح برباد کر لیتے ہیں۔

ہوتی ہیں لیکن اس کا باطل مریض ہوتا ہے''۔

اور یہ یاد رکھئے کہ مرض جب پلٹتا رہتا ہے اور متعدی ہو جاتا ہے تو بہت کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اسلام انسانیت کا سب سے بڑا نقیب ہے ہمارے قابل صد احترام نبیؐ نے اس کو محیّر العقول وسعت، اخلاص اور حسن اخلاق سے دی ہے۔

بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کی بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے تھی:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔۔(میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)

''حریص علی المومنین'' تھے۔ امت کو دنیا و آخرت کے کس بلند مرتبہ پر پہنچادیں۔ اس اخلاص کے ساتھ اخلاق اس منزل پر کہ آپ کے اخلاق کو قرآن نے عظیم کہا (انک لعلی خلق عظیم) یقیناً آپ اخلاق کے عظیم درجہ پر فائز ہیں۔ آپ کا اخلاق انتہائی عظیم ہے)

اور یہ اخلاق ہی آپ کی کامیابی کا راز تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۹ میں آپ سے خطاب قدرت ہے:

وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

''اگر آپ سخت دلی کا مظاہرہ کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے''۔

آپ کے پاس اخلاق نہیں ہے اور پھر بھی لوگ آپ کے اردگرد منڈلاتے ہیں تو کسی خوش فہمی میں متبلا نہ ہوجایئے گا۔ ایسے زیادہ تر افراد اپنے کچھ اغراض

کیا آپ چالاک ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جولائی ۲۰۰۳ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ)

اگر ایسا ہے تو دل ہی دل میں مسکرایئے نہیں۔ اپنی حالت زار پر آنسو بہایئے۔ آپ اس غلط فہمی میں نہ رہیئے کہ آپ بہت چتر و چالاک ہیں، آپ کا شمار عقلمندوں میں ہے۔ عقلمندوں کی بہترین تعریف حضرت امیر المومنینؑ نے یہ فرمائی ہے:

"ھوالذی یضع الشی مواضعہ۔ عقلمند وہ ہے جو ہر چیز کو اس کے موقع و محل پر رکھے"۔ (نہج البلاغہ کلمہ ۲۳۵)

چالاک انسان صرف اپنی مطلب براری کی فکر میں رہتا ہے۔ اور اکثر وہ میانہ روی سے بہت دور رہتا ہے اس کے سارے داؤں پیچ اسی دائرے میں گردش کرتے ہیں کہ حالات و مفادات کو کیسے اپنے حق میں موڑا جائے اور کسی طرح اپنا کیا دھرا بھی دوسروں کے سر مڑھ کر انہیں مطعون کرنے کے مواقع پیدا کئے جائیں اسے صحیح غلط، حق ناحق سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ امیر شام کے ہتھکنڈوں کے توڑ میں امیر المومنینؑ نے بڑی فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی تھی:

"واللہ ما معاویۃ بأدھی منی ولکنہ یغدر ویفجر ولو لا کراھیۃ الغدر لکنت من ادھی الناس ..... واللہ معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں مگر افسوس کہ وہ غداری وفسق وفجور سے کنارہ کش نہیں اگر میں غداری سے کراہت نہ کرتا ہوتا تو لوگوں میں سب زیادہ چالاک ہوتا۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۸)

اگر دو خیموں میں تقسیم کیا جائے تو چالاکی، عیاری و مکاری کے ساتھ ہوگی او
رہوشیاری، عقلمندی وزیرکی کے ساتھ۔ یہ اور بات ہے کہ عیار ہمیشہ اپنے کو ہوشیار
سمجھتا ہے چالاک و عیار انسان بزعم خود ہوشیاری سے کام لیتا ہے لیکن مشاہدہ یہ ہے
کہ اس سے پے در پے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں اور متعدد بیوقوفیوں کا مظاہرہ
ہوتا رہتا ہے یہ کیا کم بیوقوفی ہے کہ وہ کسی کو بیوقوف بنائے اور بے موقع اترائے۔
چالاک انسانوں کو کچھ اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث دیکھا جاتا ہے چند آدمی یا
ایک آدمی دوسرے کو بیوقوف بناتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے
ذہن میں ہوتا ہے کہ انہوں نے عقل و دانش والا کوئی بڑا کارنامہ انجام دے لیا۔
راز کو راز رکھنا اچھی بات ہے لیکن چالاکی سے خلاف حقیقت بات کا تاثر دینا
صرف دھوکا ہی نہیں ہے بلکہ دھوکا کھانا بھی ہے۔

اس لئے اکثر یہ ہوتا ہے کہ دھوکا دینے والا جانتا ہے کہ دوسرے بس وہی
جانتے ہیں جو انہیں جتانے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ وہ حقیقت حال سے
ناواقف نہیں ہوتے۔ بہترین مثال وہ بچہ ہے جو بزعم خود ہوشیاری سے کوئی چیز
پیچھے چھپاتا ہے اور انہیں لوگوں کی طرف پشت کر کے وہ چل دیتا ہے جن سے وہ
چیز کو چھپانا چاہتا ہے ایسی باتیں تو چھوٹی موٹی حرکتیں ہیں۔ انسان میں جب زیادہ
عیاری و مکاری آجاتی ہے تو وہ طویل عرصہ تک لوگوں کو دھوکا دیتا رہتا ہے لیکن ایک
نہ ایک دن حقیقت پر سے پردہ ہٹ ہی جاتا ہے عیاری جب خوف خدا سے بالکل
عاری ہوجاتی ہے تو وہ دوسروں کے املاک و اموال پر قبضہ ہوتا ہے ناجائز طور پر
دوسروں کا پیسہ ہضم کیا جاتا ہے جو قطعاً جائز نہیں دین گرہ کٹ کے ہاتھ کی صفائی کا
نام نہیں بلکہ دین دیانت کا نام ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و
من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ (قرآن مجید سورہ ۹۹ آیت ۷۔۸) جس

نے برائے نام ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ بروز قیامت اس کا انعام دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی پاداش دیکھے گا۔

آپ اگر چالاک ہیں تو عقلمند نہیں۔ اس لئے کہ اس چالاکی کے چلتن آپ نے خود کو کن کن برائیوں میں ملوث کرر کھا ہے البتہ اگر آپ ہوشیار ہیں تو آپ کی دنیا و آخرت کی اونچ نیچ پر نظر ہوگی یہی عقلمندی ہے امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا:

"العاقل۔۔۔۔ عاقل وہ ہے جو گناہوں سے پرہیز کرے اور عیبوں سے پاک رہے"۔ (غرر الحکم ٦٨)

چالاکی وعیاری وفریب ومکاری، چھل کپٹ یہ سب بدترین عیوب ہیں۔ ان سے تیزی سے دور بھاگئے۔ جو بات کہیئے سوچ سمجھ کر کہیئے اور اپنی کہی ہوئی بات کی لاج رکھئے جھوٹ نہ بولئے جھوٹے وعدہ نہ کیجئے، فریب نہ دیجئے، نہ دوسروں کو نہ اپنے نفس کو، اپنی ذات کو معمہ نہیں آئینہ بنایئے دوروئی آپ کا وقار ختم کردے گی لوگوں میں آپ کی حیثیت دوکوڑی کی بھی تو نہ رہ جائے گی جب اعتبار ختم ہوجاتا ہے تو کچھ بھی نہیں رہ جاتا اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آپ نہ کسی کو محبت وخلوص دے سکیں گے نہ کسی سے محبت وخلوص لے سکیں گے۔ جب کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث گرامی ہے:

'راس العقل۔۔۔۔ عقل کی نبیاد قبول ایمان کے بعد لوگوں سے محبت کرنا ہے۔ (بحار الانوار جلد ا صفحہ ۱۳۱)

مختصر یہ کہ اگر آپ چالاک ومکار ہیں تو توبہ کیجئے اور خدا کی پناہ مانگئے اور اگر دانشور وہوشیار ہیں تو شکر اپنا شعار زندگی بنایئے۔

❁❁❁

کیا آپ ہوشیار ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اگست ۲۰۰۳ء، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ)

عقل کا صحیح استعمال ہی عقلمندی یا ہوشیاری ہے۔ یہی مطلوب اسلام ہے اور اسی میں فلاح انسانیت ہے۔ اگر آپ ہوشیار و زیرک ہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ ایک ایسی گراں بہا دولت کے مالک ہیں جس کا کوئی بدل نہیں ہے ہوشیاری کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر نشیب و فراز میں اور حصول آخرت کے مرحلہ میں کہیں بھی عقل و دانش سے منھ نہ موڑیئے۔

آپ سماج میں کیسے زندگی بسر کریں کہ حدود شریعت سے بھی تجاوز نہ ہونے پائے اور معاشرہ سے بھی آپ بالکل کٹ کر نہ رہ جائیں آپ کو قدم قدم پر بہت کچھ جھیلنا اور سہنا پڑے گا۔ کوئی آپ سے دیانت کا سرمایہ لے لینا چاہے گا کوئی آپ پر غصہ اتارے گا کوئی آپ کو غصہ دلائے گا۔ کوئی آپ کو حد سے اونچا اٹھائے گا کوئی آپ کو آپ کی حیثیت سے نیچے پہنچانا چاہے گا کوئی آپ کی توہین و تذلیل کرے گا۔ کوئی آپ کی چاپلوسی و خوشامد کرے گا۔ کوئی آپ سے جھوٹ بول کر آپ کو دھوکا دے گا۔ کوئی آپ کو مجبور کرے گا کہ آپ جھوٹ بولیں۔ یہ سارے کام اپنے مفاد میں ہوں گے۔ اور آپ بن رہے ہوں گے تختۂ مشق،

کبھی جب آپ بولیں گے تو آپ کی زبان پکڑی جائے گی۔ اور کبھی آپ خاموش رہیں گے تو آپ کو بولنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کبھی آپ محسوس کریں گے کہ آپ کا وجود ہی خار ہے۔ ان حالات اور ان جیسے حالات میں آپ کیا کریں؟ یہی مواقع عقل کا استعمال کر کے صحیح فیصلے کرنے کے ہوتے ہیں۔ عقل ہی آپ پر یہ حقیقت واضح کرے گی کہ زندگی چین سے بانسری بجانے کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی نام ہے جہد مسلسل کا۔ آخرت کوئی دیوانے کا خواب نام نہیں ہے بلکہ گہری آزمائشوں کا حسین نتیجہ ہے۔ عقل کا برملا استعمال کیجئے۔ اور واقعی فائدہ اٹھایئے۔ یعنی یہ صلاحیت پیدا کیجئے کہ ہمیں کہاں کیا کرنا ہے اور اس کے لئے پہلے اپنے اخلاقیات کو درست کیجئے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تکمیل بشریت کے لئے تشریف لائے تھے۔ آپ کا اعلان تھا۔ "**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**"

"میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

بزعم خود آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ جسے دیکھتے ہیں آپ کا اس سے سابقہ پڑتا ہے اس میں آپ کو خرابی نظر آتی ہے۔ آپ گھر باہر ہر جگہ اصلاح چاہتے ہیں یہ جذبہ اگر ہمدردی کے سائے میں ہے تو بہت اچھا ہے۔ عین مطابق عقل ہے اس کے برعکس اگر آپ دوسرے کے مقابلے میں احساس برتری کا شکار رہیں تو آپ نہ اچھے انسان ہیں نہ عقل سے کام لے رہے ہیں۔ دوسروں کو ذلیل کرنا انہیں گری ہوئی نظروں سے دیکھنا کوئی اچھا عمل نہیں ہے اس کا بہترین علاج خود احتسابی ہے۔ امیر المومنینؑ نے کیا عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"**مالابن آدم والفخر**۔۔۔ اولاد آدم کو فخر ومباہات سے کیا واسطہ؟

اس کی ابتدا تو نطفہ، انتہا مردار ہے (دونوں ہی نجس ہیں) اسے نہ اپنی روزی پر اختیار ہے نہ ہی وہ خود سے موت کو دفع کر سکتا ہے۔ (نہج البلاغہ کلمہ ۴۵۴)

اس حقیقت کی روشنی میں کسی طمطراق اور اکڑ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ بعض حضرات مسلسل دوسروں کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے ہیں جو ان کی تنگ نظری کی دلیل ہے۔

یہ بات بات میں کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں بتاؤں یہ انداز گفتگو کیا ہے
غالبؔ

اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا مفید و کارآمد نسخہ تجویز فرمایا ہے:

''اپنے سے بڑے عمر والے کے لئے آپ کا خیال ہونا چاہئے کہ یہ ایمان اور نیک اعمال میں مجھ پر سبقت لے گیا لہذا یہ مجھ سے بہتر ہے اور کم عمر والے کے لئے یہ تصور ہو کہ میں عمر میں اس سے زیادہ ہوں میں نے اس سے زیادہ گناہ کئے ہیں۔ لہذا یہ مجھ سے افضل ہے ہم عمر کے سلسلہ میں تصور ہو کہ مجھے اپنے گناہوں کا یقین ہے۔ اس کے گناہوں میں شک ہے لہذا یہ مجھ سے بہتر ہے۔

(خلاصہ حدیث)

یا جب آپ کی کوئی تکریم و عزت کرے تو غرور میں مبتلا نہ ہوں بلکہ حسن ظن یہ ہو کہ اس کے اخلاق حسنہ ہیں جو یہ میری عزت کر رہا ہے۔ کوئی توہین و بے عزتی کرے تو انتقامی جذبات پر یہ سوچ کر قابو پائیں کے یہ میرے ان گناہوں کی پاداش ہے جو مجھ سے سرزد ہو گئے ہیں۔

غرور و تکبر حسد و جلن غصہ، گرمی، نفرت و عداوت، یہ سب نفسانی امراض ہیں جس کا شکار مدمقابل تو بعد میں ہوتا ہے ایسا کرنے والا پہلے اس کا شکار ہو کر کڑھتا رہتا اور اندر ہی اندر گھلتا رہتا ہے لہذا تقاضائے عقل یہ ہے کہ نفرت و عداوت کے سوداگر نہ بنئے بلکہ خلوص و محبت کی تجارت کیجئے۔ بعض حضرات دوسروں سے لڑتے بھڑتے رہتے ہیں اور ہمہ وقت لوہا لیتے ہوئے شمشیر برہنہ بنے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہی ان کی عقلمندی کامیابی و سربلندی ہے جب کہ یہ بہت بڑی بھول اور دانستہ خطرات کو دعوت دینا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ:

"یا بُنَیَّا۔۔۔ بیٹا ہزار لوگوں کو اپنا دوست بنالو تو یہ ہزار بھی کم ہی ہیں لیکن کسی ایک کو دشمن نہ بنانا اس لئے کہ یہ ایک بھی بہت ہے"۔

(امالی شیخ صدوقؒ ۳۹۷)

بہرحال زندگی کے ہر موڑ پر عقل کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہے۔ ورنہ نقصانات اٹھانا یقینی ہے۔ آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ یہ بعد کی بات ہے۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ آپ ہوشیار و عقلمند ہیں یا نہیں؟

❁❁❁

آپ کون ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح ستمبر ۲۰۰۳ء، رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

ہوشیاری و عقلمندی کی اہمیت مسلّمہ ہے لیکن ’’**ولكل شیء آفة**‘‘ ہر شے کے لئے ایک آفت ہے۔ عقل کے لئے آفت ہے ’’خود پسندی و تکبر‘‘۔ امیر المومنینؑ کا ارشاد گرامی ہے ’’**العجب يفسد العقل**‘ غرور و خود پسندی عقل کو برباد کر دیتی ہے۔ (غرر الحکم، ص ۲۶)

میں نے امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام میں حیرت انگیز حقائق کی ترجمانی دیکھی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کلام معصوم کی شان ہی یہی ہے امامؑ نے جو فرما دیا ہے بات اپنی جگہ اٹل ہے۔ لہذا یہ طے شدہ ہے کہ خود پسندی عقل پر اثر انداز ہوتی ہے اور جب عقل بربادی کی منزل میں ہو تو انسان نہ تو خود صحیح فیصلوں کو قبول کرتا ہے۔ نتیجہ میں رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی ہے۔ بالخصوص دوسروں کی صحیح بات تسلیم کرنے میں انسان کا غرور حائل ہو جاتا ہے اور عقل بے بس ہو جاتی ہے۔ اس کے پیچھے جو نفسیات ہوتے ہیں ان پر پروفیسر روبیٹسون نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

’’ہم کو بارہا یہ اتفاق ہوتا ہے کہ خود بخود بغیر کسی زحمت و پریشانی کے اپنا نظریہ بدل دیتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا ہمارے نظریہ کی غلطی یا اشتباہ پر ہم کو مطلع کرے تو پھر دفعتاً ہم میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور ہم اس غلطی کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کا دفاع کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے ہمارے عقیدے اور نظریے

میں کوئی مخصوص رابطہ نہیں ہے۔ صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ''خودخواہی وتکبر'' کی حس مجروح ہوتی ہے۔ اس لئے ہم تسلیم نہیں کرتے اور اسی لئے اگر کوئی ہم سے کہے کہ تمہاری گھڑی پیچھے ہے۔ یا تمہاری گاڑی بہت پرانے زمانے کی ہے تو ممکن ہے ہم کو اتنا ہی غصہ آجائے جتنا کہ یہ کہنے پر آتا ہے کہ تم مریخ کے بارے میں جاہل ہو۔ یا فراعنۂ مصر کے بارے میں تمہاری معلومات صفر کے برابر ہے''۔

(بحوالۂ اخلاق ونفسیاتی مشکلات کا حل صفحہ ۱۰۲)

یہ ''خود پسندی وتکبر'' کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان جو خود کہتا ہے اور کرتا ہے اس کو ہر پابندی سے آزاد سمجھتا ہے ورنہ وہی وہ اپنے لئے بھی پسند کرے جو وہ دوسروں کے لئے روا رکھتا ہے۔ یہ غرور وتکبر کی ایک شکل ہے کہ دوسروں پر بار بار تنقید کرنے والا خود اپنے اوپر ایکبار بھی تنقید کو گوارا نہیں کرتا اور غلط سلط تاویلات پر اتر آتا ہے۔ وہ اپنے اندر موجود عیوب کو فہرست میں تسلیم ہی نہیں کرتا امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

''جو شخص لوگوں کے عیوب کو برا کہے اور اپنی ذات میں موجود عیوب پر راضی رہے تو وہ بیوقوف ہے''۔ (غرر الحکم، ص ۶۸۹) ظاہر ہے بیوقوف کو علقمند تو نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا عقلمندوں کی فہرست میں رہنے کے لئے اس طرح کی روش کو چھوڑنا پڑے گا۔ خالی عقل کا ڈھنڈورا پیٹنے سے بات بننے والی نہیں۔ عیوب عیوب ہیں چاہے اپنے میں ہوں یا دوسروں میں انہیں دور بھی ہونا چاہئے۔ اخلاص کے ساتھ اس کی کوشش بھی شرعی فریضہ ہے۔ اپنے دینی بھائیوں دوستوں پڑوسیوں سب کو متوجہ کرتے رہنا چاہئے۔ ورنہ معاشرہ تشویشناک حد تک ابتذال کا شکار ہوجائے گا۔ ایسا نہ کرنے والا خود بالواسطہ مجرم بن جاتا ہے جیسا کہ امام

جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کا پڑوسی گناہوں کے کاموں میں ملوث ہو اور وہ اسے نہ روکے ٹوکے تو وہ شخص بھی شریک گناہ ہے''۔ (لآلی الاخبار جلد ۵، ص ۲۶۳)

لیکن اس روک ٹوک میں بھی خلوص ہونا چاہئے۔ اس کے برعکس اگر یہی عمل اس جذبہ سے انجام دیا جائے کہ میں برتر ہوں دوسرا کمتر ہے میں باعزت ہوں دوسرا ذلیل ہے یہی غرور تکبر ہے اور اس کا انجام انتہائی بھیانک ہے۔ خدا راجو حق ہے اسی طرح عقل کو استعمال کیجئے۔ اور خود کو تباہ کن نتائج سے بچایئے۔ زمانے نے ان نسلوں نے تو اربوں کھربوں لاکھ مناظر دیکھے ہیں۔ لیکن خود میرے مشاہدے میں ایسے کتنے واقعات ہیں کہ

کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے

یا

پھرتے ہیں میر اخواب کوئی پوچھتا نہیں

یہ دنیا دنیا کے مادی وسائل یہ ہماری طاقت ہمارا اقتدار ہمارا دبدبہ ہمارا حسن ہماری دولت جس پر ہم اور آپ کبھی ناسمجھی میں اترانے لگتے ہیں یہ ساری چیزیں زوال پذیر ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی تو پائیدار اور حق رفاقت ادا کرنے والی نہیں۔ پھر کس چیز پر غرور کیا جائے کس چیز پر نازاں ہوا جائے۔ کبھی آپ نے ماضی کے ان سے ملاقات کی جو گمنامی کے اندھیروں میں چلے گئے ہیں۔ ملئے دیکھئے کہ وہ کس طرح اپنی ڈوبتی ہوئی کشتی کو یاد ماضی کے پتوار سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ انکے لئے ''یاد ماضی عذاب ہے'' نہیں بلکہ یہی ایک ''کہنہ سرمایہ'' ہے۔

سے وابستہ ہوتے ہیں۔ غرض برطرف ہوئی اور یہ منھ موڑ کر چل دیئے۔ اگر آپ ان کے اغراض کو پورا کر کے ان کے حقوق ادا کر رہے تھے تو ایسے رویہ کے لئے آمادہ رہئیے۔ آپ کے احسان مند، بننے والے کم ملیں گے۔ اگر مالی حقوق ہیں تو آپ اپنے کو امین سمجھئے۔ اور حقوق کی ادائیگی میں جلدی کیجئے۔ امانت ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی امالی میں امام زین العابدینؑ کا ایک بہترین قول نقل کیا ہے:

"تمہارے اوپر امانتوں کی واپسی واجب ہے اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر امام حسینؑ کا قاتل وہ تلوار جس سے اس نے میرے باپ کو شہید کیا ہے میرے پاس امانت رکھے تو میں اس امانت کو بھی واپس کردوں گا"۔

یہ فرائض کی ادائگی تو ذمہ داری ہے جسے پورا کرنا چاہئے جو پورا نہ کرے وہ مجرم ہے۔ آپ کے جوہر انسانیت تو اسی وقت کھلیں گے جب آپ اپنی رفتار وگفتار کو اخلاقیات کے سانچے میں ڈھالیں، تعصب وتنگ نظری کو خیر باد کہیں، پریشان حال افراد کی مدد کریں، بے سہاروں کا حتی المقدور سہارا بنیں، بے نواؤں کی آواز سنیں۔ یہ سب کرنے میں ہوسکتا ہے کہ جسمانی طور پر آپ تکان کا شکار ہوجائیں۔ لیکن آپ کا ضمیر مطمئن رہے گا۔ اور یہی وہ باطنی سکون ہوگا جو ساری تکان دور کردے گا۔

ایک کلمہ گو میں تو انسانیت کا عنصر بہت زیادہ ہونا چاہئے اس لئے کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے انسانیت کا پرچم سب سے زیادہ بلند کیا ہے۔ اور اسی لئے آپ اپنے بعد اپنے جیسے کی قیادت چاہتے تھے جو حکمراں بھی ہو تو اسے دوسروں کا

انہوں نے مصنوعی نہیں بلکہ حقیقی اخلاق، بہترین کردار مخلصانہ خدمات کا سہارا لیا ہوتا تو وہ زمانہ کی تیز گردش میں بھی زندہ وتابندہ رہتے۔ ہمیں حضرت علیؑ کی اس تنبیہ سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے کہ:

"گزشتگان سے تم عبرت حاصل کرو اس سے پہلے کہ آئندگان تم سے عبرت حاصل کریں" (نہج البلاغہ)

یہ ہماری کوتاہ نظری ہے کہ ہم مادی چیزوں کو آرائش دنیا کا سبب سمجھتے ہیں سچ پوچھئے تو دنیا کی بہار بلند کردار افراد سے ہے۔ جب وہ نہیں رہ جاتے ہیں تو دنیا تاریک ہوجاتی ہے۔ کائنات کی معتبر ترین خاتون حضرت فاطمہ زہراؑ کو سپرد لحد فرمانے کے بعد امیر المومنینؑ نے ایک انتہائی معنی خیز وکرب انگیز جملہ ارشاد فرمایا تھا:

"فاطمہؑ رخصت ہوئیں اب یہ دنیا کتنی کریہہ المنظر ہوگئی ہے"۔

(دلائل الامامۃ صفحہ ۴۷)

دنیا کی فانی چیزیں اور خصائل رذیلہ جن میں لاف گزاف اور خود پسندی و تکبر بھی ہے ان میں کوئی دم خم نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ نے آگاہ فرمایا تھا:

"ضعوا عن تیجان المفاخرۃ (نہج البلاغہ خطبہ ۵)

فخر ومباہات کے تاج اتار پھینکو۔

تقاضائے عقل سلیم یہ ہے کہ پائیدار چیزوں پر بھروسہ کیا جائے اور وہ خصائل حسنہ ہیں۔

❀❀❀

کیا آپ ضدّی ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اکتوبر ۲۰۰۳ء، شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ)

امیر المومنین حضرت علیؑ نے اپنے محبوب صحابی حضرت کمیل ابن زیاد سے عوام کی تین قسمیں بیان فرمائیں تھیں۔ ا۔ عالم ربانی ۔ ۲ راہ نجات کا متلاشی طالب علم، ۳۔ مچھروں کی مانند ہر آواز کے پیچھے بھاگنے والے اور ہوا کے رخ پر ،چل پڑنے والے (خصائل صدوق جلد ا، صفحہ ۱۰۴، حدیث ۲۵۷)

اس تیسرے گروہ میں شعور کی کمی اور لالچ کی زیادتی ہوتی ہے۔ لہذا یہ ہر کس و ناکس کے پیچھے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں یہ گروہ افراط کا شکار ہوتا ہے اور اس کے بالکل برعکس ایک گروہ ہوتا ہے جو تفریط کا شکار ہوتا ہے جس میں ہٹ دھرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے یہ اپنی ایسی کہے اور کیئے جاتا ہے اور کسی کی جائز بات بھی سننے اور ماننے پر تیار نہیں ہوتا ہے یہی ضد ہے جو مذموم ترین صفت غرور کی ایک قسم ہے لہذا اگر آپ ضدی ہیں تو مغرور ہیں مغرور ہیں تو آپ عقل سلیم سے محروم ہیں۔

ضدی افراد میں نہیں کی جگہ ہاں اور ہاں کی جگہ نہیں کا عنصر واضح ہوتا ہے کسی حق بات پر ثابت قدم رہنا یہ بہترین صفت ہے لیکن ہر جائز اور نا جائز بات

میں اڑیل رویہ اپنائے رہنا خود اس انسان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے ایسے افراد سے آپ چاہے جتنے خلوص و ہمدردی سے کوئی بات کہیں یہ اس کے خلاف ردعمل ظاہر کریں گے یہ دراصل دماغ میں چھپی ہوئی انا کا غیر عمدی اظہار ہوتا ہے میرے ایک ساتھی اپنے ایک دوست کے لئے بیان کیا کرتے تھے کہ وہ کبھی کوئی بات نہیں مانتے جو میں کہتا ہوں اس کے خلاف کرتے ہیں لہذا میں نے طریقہ یہ اپنایا ہے کہ اگر انہیں کہیں ساتھ لے جانا ہوتا ہے تو ان سے کہتا ہوں آپ یہیں رکئے میں فلاں جگہ جا رہا ہوں۔ وہ فوراً کہتے ہیں، نہیں بھائی میں بھی ساتھ چلوں گا۔

عقل کو موقع و محل پر نہ استعمال کرنے والا بیوقوف ہوتا ہے جب عقل کا بر محل استعمال نہ ہو تو ضد حاوی رہتی ہے اور ضدی انسان اپنے فائدہ کی بات بھی بہت کم سنتا ہے مانتا ہے کم میں نے اس لئے لکھا کہ جب اسے اپنا بالکل واضح فائدہ نظر آ جائے یعنی چٹ بھی اپنی پٹ بھی اپنی تو وہ بات مان بھی جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں:

دیوانہ بر کار خویش ہشیار

ضدی انسان سے اگر کبھی آپ کو گفتگو کا سابقہ پڑ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے جو بات کہہ دی ہے اس کے خلاف لاکھ معقول دلائل ہوں لیکن اس کی گفتگو میں آپ ''مرغ کی ایک ٹانگ'' ہی دیکھیں گے۔ اس کی گفتگو لا حاصل اور بات لا یعنی ہوگی اس کا سارا زور بیان اپنی فضول بات کو منوانے میں صرف ہوتا ہے امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

''احمق کی پہچان تین مواقع پر ہوتی ہے۔ ۱۔ لا حاصل بات میں گفتگو

کرنے سے۔ ۲۔جس بات کا سوال نہیں کیا گیا ہے اس کا جواب دینے سے۔

۳۔اپنے امور میں لا پروائی (غیر میانہ روی) برتنے سے۔

(غرر الحکم جلد ۳، صفحہ ۳۰۳)

یہ احمق انسان خود دوسرے کی معقول بات بھی نہ سنتا ہے نہ مانتا ہے لیکن دوسرے سے اپنی نامعقول بات بھی منوانے پر تلا رہتا ہے نتیجہ میں مباحثہ سے مجادلہ اور عداوت کی نوبت آجاتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے: ''جوانمردی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ دوسروں کی باتوں کو توجہ سے سنے اور اتنی دیر خاموش رہے'' لیکن ہوتا ایسا شاذ و نادر ہی ہے۔ دوسروں کی بات کو کاٹ کر اپنی بات کو اونچا دکھانا اور اس کے ذریعہ اظہار برتری کرنا یہ اکثر لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے نتیجہ میں بحث و مباحثہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نوبت ناچاقی تک پہنچ جاتی ہے بات افہام و تفہیم کی ہو تو کیا کہنا لیکن ایسا ہوتا بہت کم ہے اس لئے معصومینؑ نے اسے منع فرمایا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بحث و مجادلہ چھوڑ دو اس لئے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس سے مثبت راستہ پر پہنچ سکے۔''

امام علی نقی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''بحث و مباحثہ قدیم دوستی کو ختم کر دیتا ہے اور مضبوط رشتوں کو توڑ دیتا ہے سب سے کم تر چیز جو اس مجادلہ میں نمودار ہوتی ہے وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش ہوتی ہے۔''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

''انسان اس وقت تک ایمان کے کامل درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک مناظرہ ومناقشہ سے اجتناب نہ کرے چاہے اور نہ مناظرہ ومناقشہ حق ہی ہو''۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:

''جدال ولڑائی سے پرہیز کرو! اس لئے کہ مناقشہ فلکر کو پریشان کرتا ہے اور آپس میں نفاق ودشمنی پیدا کرتا ہے''۔ (اصول کافی صفحہ ۴۵۲)

مباحثہ میں یہ صورتحال کیوں ہوتی ہے اس لئے کہ کوئی ایک فریق اپنی بات پر اڑ جاتا ہے اور عقل سے نہیں بلکہ ضد سے کام لیتا ہے آپ کا تفوق آپ کی بڑائی آپ کی کامیابی اس میں نہیں ہے کہ آپ نے کسی طرح دوسرے کی بات نہیں مانی بلکہ اس سے اپنی بات منوانے پر اڑے رہے۔ اس طرح تو آپ نے نفرتوں کو بڑھا وا دیا۔ آپ کی حقیقی کامیابی ضد کو خیر باد کہنا، دوسروں کا احترام کرنا اور ان کی معقول باتوں کو توجہ سے سننا ہے اس طرح دوسروں کے دلوں میں آپ کے لئے جگہ بنے گی۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آپ نے دنیا میں اپنی انا کو برقرار رکھنے کے لئے کتنی جدوجہد کی بلکہ سوال یہ ہے کہ آپ نے دوسروں کی عزت نفس کو تو مجروح نہیں کیا۔؟



کیا آپ نکتہ چیں ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح نومبر ۲۰۰۳، رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مناسب شرائط کے ساتھ اہم ترین شرعی فریضہ ہے جو اصلاح معاشرۂ اسلامی کے لئے ہمیشہ جاری وساری رہنا چاہئے لیکن اس کی آڑ میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا اور بنام دین دوسروں کی حرمت کو پامال کرتے رہنا شریعت کی نگاہ میں قطعاً ناپسندیدہ عمل ہے اسی طرح جیسے کوئی نماز پڑھنے کے نام پر مسجد سے کسی نمازی کے جوتے چرالے اور طواف خانۂ کعبہ کے نام پر کسی مسافر حاجی کی جیب کتر لے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: **وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ** (سورۃ الھمزہ پ ۳۰ آیت ۱)

ترجمہ ''بربادی ہے ہر نکتہ چیں وچغل خور کے لئے''

آپ اپنے گردوپیش کا جائزہ لیجئے آپ کو دو چار ایسے ضرور مل جائیں گے جو اس مذموم عادت کا شکار ہوں گے۔ بال کی کھال نکالنا ان کی عادت ہوگی اور دوسروں کی برائیوں کو اچھالنا ان کا مشغلہ ہوگا ایسے لوگ از روئے قرآن عذاب خدا کے سزاوار ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ/ ''جو لوگ مومنین کی برائیوں کو طشت از بام کرنے کو دوست رکھتے ہیں، ان کے لئے اذیت ناک عذاب ہے'' (سورہ نور پارہ ۲۰ آیت ۱۹)

ان دو باتوں کے فرق کو پہچانئے کہ ایک شخص وہ ہے جو اپنے برادر مومن

میں برائی دیکھتا ہے تو اس کا دل کڑھتا ہے وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور اپنے برادر مومن کو بہتر طریقے سے متوجہ کر کے اس میں موجود برائی کو ختم کرنے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ یقیناً ایسا شخص دینی فریضہ ادا کر رہا ہے اور لائق احترام و لائق ستائش ہے اس کے برعکس ایک شخص وہ ہے جو کوشش یہ کرتا ہے کہ جسے وہ ناپسند کرتا ہے اس میں کوئی برائی اسے مل جائے اور جہاں کہیں کوئی صحیح یا غلط سرا اس کے ہاتھ لگا وہ پھولے نہیں سماتا اور عوام میں اپنے اس حریف کو وہ بدترین انسان کی شکل میں پیش کرنا شروع کر دیتا ہے تو وہ اسے بدتر ظاہر کرتا ہے اور اپنے کو بہتر ثابت کرتا ہے ظاہر ہے یہ شیطنت ہے اس کا ستار العیوب کی روش سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''جو شخص کسی کی برائی کو ظاہر کرے وہ ایسا ہے کہ جیسے خود اس نے یہ برا عمل انجام دیا ہو جو شخص کسی معاملہ میں کسی مومن کی سرزنش کرے تو اسے اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ خود اس میں بتلا نہ ہو جائے'' (عروج السعادۃ ترجمہ معراج السعادۃ شیخ احمد نراقیؒ صفحہ ۷۵۸)

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

''ایسے شخص کی دوستی سے پرہیز کرو جو دوسروں کی عیب جوئی کرنے والا ہو۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ بیٹھنے والا بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

(اصول کافی/ ۴۴۵۹)

عیب جوئی اور نکتہ چینی وہ معاشرہ کا ناسور ہے جو بے برکتی پیدا کرتا ہے۔ بنی اسرائیل میں قحط پھیلا حضرت موسیٰؑ نے متعدد بار شہر کے باہر جا کر بارش کی دعا کی

جو قبول نہ ہوئیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے اس سلسلے میں مناجات کی۔ وحی ہوئی تم لوگوں کے درمیان ایسا شخص موجود ہے جو نکتہ چینی کرتا ہے۔ اسی کی بدبختی کے سبب میں تمہاری دعا کو نہیں قبول کرتا ہوں۔

(عروج السعادۃ صفحہ ۷۶۷)

ایسے لوگوں کو آپ زیادہ تر دیکھیں گے کہ وہ خود تو گلے گلے برائیوں میں ملوث ہوں گے اس کی جانب قطعاً توجہ نہ دیں گے اور دوسروں میں عیب تلاش کرنے میں بڑے جلد باز ہوں گے۔ ایسے افراد یقیناً باوجود اپنے کو عقلمند سمجھنے کے حقیقتاً عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔ عقل کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ اس سے جنت حاصل کی جائے۔ اور از روئے حدیث نکتہ چیں داخل جنت نہیں ہوسکتا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے کیا بہترین بات ارشاد فرمائی ہے:

(ترجمہ) ''وہ شخص کفر سے قریب ہے جو اپنے برادر دینی کی برائیوں اور لغزشوں پر نظر رکھے تا کہ ایک دن اس کی خبر لی جائے وہ شخص احمق ہے جو خود تو ہزار طرح کے عیوب رکھتا ہو اور سرتاپا معاصیت میں ملوث ہو اس کی اپنی برائیوں پر نظر نہ ہو۔ اور دوسروں کی برائیوں کے بارے میں زبان دراز کرتا ہو۔ اگر ایسے شخص میں کوئی اور برائی نہ بھی ہو تو یہ عیب جوئی کی صفت ہی انتہائی معیوب ہے کہ وہ اپنی خباثت باطنی سے دوسروں کی برائیوں سے باخبر کرتا ہے۔

(معراج السعادۃ علامہ نراقیؒ)

کسی میں کوئی برائی ہو اور اسے ظاہر کرے یہی غیبت ہے۔ جس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور قرآن مجید نے ایسے شخص کو مردار کا گوشت کھانے والوں میں

شمار کیا ہے۔ لیکن ایک گروہ اس گروہ سے بھی بدتر ہوتا ہے وہ وہ ہے جو اپنی انا کی تسکین کے لئے یا اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کے سر برائیوں کو منڈھتا ہے اور خواہ مخواہ یہ ظاہر کرنے پر تلا رہتا ہے کہ فلاں شخص بہت برا ہے۔ بقول شاعر کے ؎

مہتاب میں دھبّے ہیں گلوں میں کانٹے
بدبیں کو بس اتنا ہی نظر آتا ہے

اگر آپ کو ہر ایک میں برائیاں ہی نظر آتی ہیں آپ بات بات میں تنقید کرنے کے عادی ہیں تو کہیں آپ کا زاویۂ نگاہ تو غیر معتدل نہیں ہے؟ بدنفس نہیں اعلیٰ نفس بنئے۔ اپنے برادر مومن سے اس کی برائیوں کی نشاندہی ضرور کیجئے۔ لیکن مخلص مصلح بن کر کسی کی برائیوں کو اچھال کر معاشرہ میں فساد نہ پیدا کیجئے۔ اور اس قرآنی فیصلہ کو بے چون و چرا تسلیم کیجئے کہ "الفتنۃُ اشدُّ من القتل، فتنہ قتل سے بھی شدید جرم ہے۔

❁❁❁

کیا آپ ریاکار ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح دسمبر ۲۰۰۳، شوال المکرم ۱۴۲۴ھ)

نکتہ چیں میں ریاکاری کی مذموم صفت بڑی شدت سے کارفرما رہتی ہے گہرائی سے اس کا جائزہ لیجئے متعدد ثبوت ملیں گے۔ یہ دوسروں میں ایسی برائیاں دکھانا چاہتا ہے جو ان میں نہیں ہیں یا قابل ذکر نہیں ہیں اور اپنی برائیوں پر پردہ ڈال کر خود اپنے میں ایسی اچھائیاں ظاہر کرنا چاہتا ہے جو حقیقت میں اس میں نہیں ہیں یہی ریاکاری ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''ریاکار کی علامتیں تین ہیں: (۱) جب لوگوں کو دیکھتا ہے تو کام بڑی تندہی سے انجام دیتا ہے۔ (۲) اور جب اکیلا ہوتا ہے تو سستی و کسالت سے کام لیتا ہے۔ (۳) وہ چاہتا ہے کہ ہر کام میں اس کی تعریف ہی کی جائے۔

(بحار الانوار جلد ۷۲ صفحہ ۳۰۳)

موخر الذکر صفت کی روشنی میں ریاکار کی شناخت مشکل کام نہیں۔ آپ اپنے اردگرد کے ماحول میں ایسے افراد کو ضرور پالیں گے جو بمقتضائے بشریت ہی سہی غلطیوں کے مرتکب تو ہوتے ہیں لیکن کبھی انہوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہو۔ شاید ہی آپ کوئی ایسی مثال تلاش کرسکیں۔ وہ بس اس دھن میں رہتے ہیں کہ

بوجھ اٹھانے میں عار نہ ہو غریبوں بیواؤں اور یتیموں کی رات کی تاریکی میں صرف مالی ہی امداد نہ کرے بلکہ کبھی ان کے لئے تنور روشن کرے۔ کبھی ان کے لئے پانی بھرے۔ دوسری قوم کے غلام اور مجبور افراد کے لئے بیت المال کے دروازے بند نہ ہوں اور جب وہ اس دنیا سے جائے تو اس پر آنسو بہانے والوں میں ہر قسم کے افراد شامل ہوں۔ جب ایسا جامع الصفات انسان مل جائے تو اعلان غدیر کا اہتمام خود معبود فرماتا ہے۔ جو انسانیت کے لئے بہترین نمونۂ عمل چاہتا ہو وہ اس اعلان کو سنے گا۔ اور جس نے اس پر کان نہیں دھرا اس کی خود غرضی و کم فہمی پر انسانیت آٹھ آٹھ پہر آنسو بہاتی رہے گی۔

❁❁❁

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "اکرم اخلاق النبیین و الصدیقین البشاشة اذا تراووا و المصافحة اذا تلاقوا"۔ (مجموعۂ ورام، ص ۲۹)

انبیاء و صدیقین کا بہترین اخلاق یہ تھا کہ جب ایک دوسرے کا سامنا ہوتا تو مسکرا کر اور خوشروئی سے ملتے اور جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام: تُلِينُ جَانِبَكَ وَ تُطِيبُ كَلَامَكَ وَ تَلْقَى أَخَاكَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ۔ (جامع السعادات؛ معانی الاخبار، 253)

اچھا اخلاق و حسن خُلق یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آو، اپنی گفتگو و کلام کو پاکیزہ و صاف کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ خوشروئی و بشاشت کے ساتھ ملاقات کرو۔

❁❁❁

وہ جو بھی کریں قابل تعریف ہوتا ہے۔

ریا کاری یعنی دکھاوا اسلامی معاشرہ کا کبھی بھلا نہیں کر سکتا جب تک عمل میں اخلاص وللّٰہیت نہ ہو۔

صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

(ترجمہ) ''بروز حشر ایک نمازی کو لایا جائے گا جو عرض کرے گا پالنے والے میں نے نماز تیری رضا کے لئے پڑھی۔ کہا جائے گا نہیں تو نے تو نماز اس لئے پڑھی کہ لوگ کہیں کہ فلاں کی نماز کتنی اچھی ہے۔ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ! ایک قاری قرآن کو لایا جائے وہ دعویٰ کرے گا میں نے تیری رضا کے لئے قرآن پڑھا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تو نے قرآن اس لئے پڑھا لوگ کہیں کہ فلاں کا لحن کتنا اچھا ہے، اسے بھی جہنم میں لے جاؤ۔ ایک (نام نہاد) مجاہد کو لایا جائے گا جو ادعا کرے گا میں نے جہاد تیرے لئے کیا، کہا جائے گا تو نے قتال اس لئے کیا کہ کہا جائے فلاں بڑا بہادر ہے۔ اسے بھی دوزخ کے حوالے کرو ایک انفاق کرنے والے کو لایا جائیگا جو کہے گا پالنے والے میں نے اپنا مال تیری راہ میں خرچ کیا ہے کہا جائے گا تو نے اپنا مال اس نیت سے خرچ کیا ہے کہ لوگ کہیں کہ فلاں کس درجہ سخی ہے۔ اسے بھی جہنم میں لے جاؤ۔ (بحار الانوار جلد ۷۲ صفحہ ۳۰۱)

اعمال اللہ کے لئے انجام دیجئے لوگوں میں نمائش کے لئے نہیں ورنہ یہ دکھاوے کی نیکیاں ضائع بھی ہوں گی اور قیامت میں گلے کا طوق بھی بن جائیں گی۔ ریا کاری حقیقت سے بہت دور ہوتی ہے آپ نے دوسرے کے عمل کو دو کوڑی کا ثابت کیا چاہے اس میں اخلاص ہی رہا ہو اپنے عمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا چاہے اس میں فقط دکھاوا ہی ہو اس سے آپ گنہگار بھی ہوئے آپ کا عمل بھی ضائع ہوا اور آپ کا خبث باطنی بھی اجاگر ہوا۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) بدطینت شخص کسی کے بارے میں

حسن ظن نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ دوسروں کا قیاس اپنی ذات پر کرتا ہے۔

(غررالحکم صفحہ ۸۰)

ایسا انسان اپنی ذات میں چھپے ہوئے عیب سے ناواقف نہیں ہوتا لیکن دوسروں سے واہ واہی لوٹنے کے لئے وہ دوسروں کی نیکیوں میں کیڑے نکالتا ہے اور اپنے معمولی سے عمل کو بھی وہ سجا سنوار کر خلاف حقیقت بہت بڑا بنا کر پیش کرتا ہے۔ عمل میں اخلاص کے بجائے مسابقت کا جذبہ ہوتا ہے۔ اور پیش نظر خدا کے بجائے بندے ہوتے ہیں۔ اس ریاکاری کی کارفرمائی آپ کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقہ وخیرات، قومی وفلاحی کاموں میں ہر جگہ ملے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ہر ریا شرک ہے یقینا جو عمل کوئی عوام کے لئے انجام دے گا اس کا بدلہ ان کے ذمہ ہے اور جو کوئی عمل اللہ کے لئے انجام دے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔" (کافی جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

لہذا ریاکاری چھوڑ یئے نیکیاں صرف اللہ کے لئے انجام دیجئے آپ گھاٹے میں نہ رہیں گے اس لئے کہ اس کی بارگاہ انتہائی پر فیض ہے۔

❋❋❋

کیا آپ غیبت کے عادی ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جنوری۔فروری ۲۰۰۴، ذیقعدہ۔ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ)

اسلام نے معاشرہ کو صالح اور پُرامن بنانے اور بنائے رکھنے کی بہت زیادہ تاکید ہے لیکن ہم اور آپ اس مذموم عادت غیبت کے ذریعہ معاشرے کے اجتماعی حسن کو کس قدر داغدار بنادیتے ہیں نتیجہ میں معاشرہ کے اندر نفرت و عداوت بدنفسی و بدگمانی کا بول بالا ہوجاتا ہے۔ اس مضموم حرکت سے گھن دلاتے ہوئے ہوئے قرآن سوال کرتا ہے:

ترجمہ: ''کیا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو دوست رکھے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے''۔ (سورہ حجرات پ۲۶ آیت ۱۲)

کیا آپ کا احساس بیدار ہوا کہ یہ جو آپ اپنے اعزہ واحباب میں بیٹھ کر کسی کی غیر حاضری میں اس کی برائی بڑا لطف لے کر کرتے ہیں اس طرح کہ گویا کوئی بڑی لذیذ غذا آپ استعمال کر رہے ہوں تو قرآن صاف اعلان کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ تو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کا گھناؤنا جرم انجام دے رہے ہیں۔ مردار دیکھ کر گھن آنے والے کو آخر مردار کھانے میں گھن کیوں نہیں آتی؟ اس بے حسی اور بے توجہی پر تعجب ہے۔

غیبت دراصل حسد ومنافقت کی بھی ایک اہم علامت ہے۔امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

ترجمہ:''بدترین شخص منافق ہے جواپنے دوست کی موجودگی میں تواس کی تعریف وتوصیف کرتا ہواوراس کی غیبت میں اس کی دھجیاں اڑاتا ہو۔اگر دوست کو کچھ مل جائے تو اس سے حسد کرتا ہو اور اگر دوست کسی مصیبت میں گرفتار ہوجائے تواس سے کنارہ کش ہوجاتا ہو'' (بحارالانوار، جلد۱، صفحہ ۱۷۶)

غیبت ایک سماجی بیماری ہے اور ضرورت ہے کہ سماجی پیمانہ ہی پر اس پرروک لگائی جائے۔ارشادنبوی ہے:

ترجمہ:''اگرکسی اجتماع میں کسی شخص کی غیبت کی جائے توتمہارافریضہ ہے کہ جس کی غیبت کی جارہی ہے اس کا دفاع کرولوگوں کواس کی غیبت سے روکواور وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ''۔(نہج الفصاحۃ، صفحہ ۴۸)

یہ بھی ارشاد ہے کہ:''جوشخص اپنے دینی بھائی کی غیبت کا دفاع کرے اللہ پراس کاحق بنتا ہے کہ وہ اس کودوزخ سے بچائے''(نہج الفصاحۃ، صفحہ ۶۱۳)

بعض حضرات اپنے اظہار صداقت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں میں غلط نہیں کہتاواقعافلاں شخص برائی کررہاتھایایہ بات کہہ رہاتھا۔دوسرے میں جو برائی موجود ہواس کی عدم موجودگی میں اس کا اظہار ہی توغیبت ہے۔ ورنہ جو برائی موجود نہ ہواس کا کسی کے سرمنڈھنا تو الزام وافترا ہے جواپنی جگہ خودایک مستقل جرم ہے۔غیر معصوموں کی اس دنیامیں جبکہ ہرایک کا دامن کم وبیش کسی نہ کسی برائی سے داغدار ہے اپنی برائی کو چھپا کردوسرے کی برائی کواجاگر کرنے کی کوشش کرنا

دراصل معاشرہ میں نفرت وعداوت کا زہر گھولنا ہے آپ نے اپنی برائی چھپانا چاہی دوسرے کی ظاہر کرنا چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے آپ کی نیکی کو بھی رد کردیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے آگاہ فرمایا:

ترجمہ:''جس نے ماہ رمضان میں کسی مسلمان کی غیبت کی تو اس کے روزے کا کوئی اجرنہیں دیا جائے گا۔(بحارالانوار جلد ۷۵ صفحہ ۲۵۷)

کوئی شخص گناہ اور غلطیاں کرے تو آپ کا دینی فریضہ ہے کہ آپ اسے ایسا کرنے سے روکیں، ہمدردی سے اسے سمجھائیں اس پر اگر وہ یہ کہے کہ آپ کون ہوتے ہیں منع کرنے والے یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے یا یہ ہمارے گھر کی بات ہے تو یہ بہانے بازی ہے اور چوری وسینہ زوری جیسا عمل ہے۔لیکن کوئی غلطی کرکے اس کو چھپا رہا ہے۔ستار العیوب معبود بھی جرم کی پردہ پوشی پر آمادہ ہے تو واقعاً آپ کون ہوتے ہیں اس کے جرم کو طشت از بام کرنے والے۔ایسا کر کے آپ نے اپنے ایمان کو داؤں پر لگا دیا ہے۔امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

ترجمہ:''غیبت انسان کے دین کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح کوڑھ انسان کے بدن کو کھا جاتا ہے''۔(اصول کافی جلد ۴ صفحہ ۵۹)

مومن کا نفس بڑا محترم ہوتا ہے۔آپ نے غیبت مومن کر کے اس کی عزت پر حملہ کیا ہے اور یہ قتل بلکہ اس سے بھی بدتر فعل ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا:

ترجمہ:''اگر کوئی مومن کسی کی غیبت کرتا ہے تو گویا اس نے کسی کو قتل کر دیا اور کسی کی عزت پر حملہ قتل سے بھی قبیح تر فعل ہے جو غیبت کرتا ہے خداوند عالم اس کے چالیس دن کے نماز روزے کو قبول نہیں فرماتا''۔

(بحار الانوار جلد ۷۰ صفحہ ۲۵۷)

ہاں جو شخص کھلے عام گناہ کرنے میں جسور ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پر غلطیاں کرتا ہے اور احکام شریعت سے بغاوت پر علی الاعلان تلا بیٹھا ہے تو اس کا تذکرہ غیبت نہیں ہے آپ پوری کوشش کیجئے کہ غیبت کے زمرہ میں آنے والے جرم سے بچیئے آپ کی قوت مردانگی اس میں ہے غیبت تو دراصل کمزوروں کا حربہ ہوتا ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''کمزور ناتواں شخص کی انتہائی کوشش غیبت کرنا ہے''۔

(غرر الحکم صفحہ ۳۶)

خداوند عالم ہمیں غیبت جیسی گھناؤنی عادت سے بچائے اور اگر اس میں ہم ملوث ہیں تو اس قبیح عادت کو ہم سے چھڑائے۔

❁❁❁

کیا آپ چغلخور ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح مارچ اپریل ۲۰۰۴، محرم صفر ۱۴۲۵ھ)

نفسانی امراض تو بہت ہیں لیکن چند کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ یہ امراض معاشرہ کی سالمیت کو شدید نقصان پہنچانے والے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک چغلخوری بھی ہے۔ اگر آپ چغلخور ہیں تو آپ معاشرے کے سکون کو تو برباد کر ہی رہے ہیں خود آپ بھی تباہی و بربادی سے محفوظ نہیں۔ قرآن مجید صاف اعلان کر رہا ہے:

”تباہی ہے ہر طعنہ زن چغلخور کے لئے“ (سورہ ہمزہ ۱۰۴ آیت ۱)

تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خود چغلخور پر بن آئی اور ”چاہ کندہ راچاہ درپیش“ (دوسرے کے لئے کنویں کھودنے والا خود اس میں گرتا ہے) کی مثال اس پر صاف صادق آئی)۔

ثمرۃ الاوراق ابن حجۃ حموی میں ہے کہ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دربار میں ایک دیہاتی کو بہت رسوخ حاصل ہو گیا اس دیہاتی کا تکیہ کلام رہتا تھا: خداوندا نیک کو جزا دے اور برے کو سزا دے۔ ایک حاسد و چغلخور وزیر کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ میری جگہ وزیر نہ بنا دیا جائے لہٰذا اسے راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔ اس دیہاتی نے وزیر کو اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا اور سالن میں لہسن زیادہ ڈلوا دیا۔ کھانا کھا کر جب وزیر معتصم کے دربار کی طرف چلا تو وزیر نے اسے نصیحت کی کھانے میں لہسن زیادہ ہو گیا تھا بادشاہ کو لہسن کی بو سے نفرت ہے دربار

میں اپنے منھ پر ہاتھ رکھے رہنا تاکہ لہسن کی بد بو بادشاہ تک نہ پہنچے اور خود اس دیہاتی سے پہلے دربار پہنچ گیا اور بادشاہ سے کہا فلاں دیہاتی کو آپ نے خواہ مخواہ سر چڑھا رکھا ہے وہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ بادشاہ کے منھ سے ہر وقت بد بو آتی رہتی ہے میں اس بد بو سے بہت پریشان ہوں۔

اسی درمیان دیہاتی بھی دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر بیٹھ تو گیا مگر وزیر کی ہدایت کے مطابق اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اسے وزیر کی بات کا یقین آ گیا۔ اس نے اپنے کارکن کے پاس ایک رقعہ لکھا کہ جو شخص رقعہ لے کر آ رہا ہے اسے فوراً قتل کردو۔ دیہاتی کو مہر بند رقعہ سپرد کر کے مذکورہ شخص کے پاس بھیج دیا۔ لالچی وزیر یہ سمجھا کہ اس رقعہ کے ذریعہ کوئی انعام اس دیہاتی کو دلوایا گیا ہے وزیر نے دہاتی کو دو ہزار دینار راستہ ہی میں دیکر یہ کہہ کر رقعہ لے لیا کہ تم زحمت کیوں کرو میں پہنچا دوں گا رقعہ کارکن کو دیا اس نے اسے پڑھ کر بلا تاخیر وزیر کو قتل کر دیا"

بات ادھر سے ادھر کرنے سے ایک دوسرے کے خلاف غلط سلط باتیں کرنے سے، لگائی بجھائی کرنے سے چغلخور کا وقتی تو فائدہ ہو جاتا ہے مگر جب بات کھلتی ہے تو وہ ذلیل و رسوا بھی بہت ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے تباہی پھیل چکی ہوتی ہے، نفرتیں اور عداوتیں بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ اور کبھی کبھی قتل و خونریزی کی نوبت بھی آ چکی ہوتی ہے۔

معراج السعادۃ میں ملا احمد نراقیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام ایک شخص کے ہاتھ اس انتباہ کے ساتھ فروخت کیا کہ اس میں ساری اچھائیاں

ہیں ایک برائی بھی ہے کہ یہ چغلخوری کرتا ہے۔ خریدار نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی ایک دن اس غلام نے اپنی مالکہ سے کہا کہ میرا آقا تم کو پسند نہیں کرتا اس لئے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تم سوتے میں مالک کے بال تیغ سے کاٹ کر مجھے لاکر دیدو میں ایسا عمل کردوں گا کہ وہ تمہارا اسیر ہوجائے گا۔ ادھر مالک کے کان بھرے کہ مالکہ کسی اور سے رسم وراہ رکھتی ہیں اور تمہیں سوتے میں قتل کرنا چاہتی ہیں۔ مالک چوکنا ہوکر لیٹا اس نے دیکھا کہ عورت ہاتھ میں تیغ لے کر آئی ہے وہ بھانپ گیا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتی ہے اس نے بلا تامل تیغ اس سے چھین کر عورت ہی کو قتل کردیا۔ قتل کے بعد غلام نے عورت کے مائکے والوں کو اطلاع دی کہ میرے مالک نے مالکہ کو قتل کردیا ہے نتیجہ میں دونوں خاندان والوں میں خوب خونریزی ہوئی اور اس ایک چغلخوری کی عادت نے اتنا بڑا فساد برپا کردیا۔

اسی چغلخوری کی بدولت غلط فہمی کی بنا پر دوافراد میں خواہ مخواہ عرصہ تک دشمنی وعداوت بنی رہتی ہے۔ اس عادت کی وجہ سے اکثر اچھے خاصے رشتے چھوٹ جاتے ہیں۔ اہل عصمت کو چھوڑ کر کون سا انسان دنیا میں ہے جس میں کچھ خامیاں نہیں ہوتیں لیکن جب لوگ بڑھا چڑھا کر اسے دوسروں سے پیش کرتے ہیں تو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

کسی لڑکے کا رشتہ لڑکی والوں کے یہاں گیا اور چغلخوروں نے ہزار باتیں لڑکے میں پیدا کردیں رشتہ چھوٹ گیا کسی لڑکی والے کے یہاں کوئی رشتہ آیا اور چغل خوروں نے لڑکے والوں کو لڑکی والوں کی طرف سے بدگمان کردیا اکثر شاطر چغلخور کچھ نہ کہہ کر بہت کچھ کہہ جاتے ہیں کسی نے کسی کیلئے کچھ پوچھا اور جواب ملا

۔بھائی مجھے معاف کیجئے میری زبان نہ کھلوایئے۔خود سوچئے کچھ نہ کہہ کر کیا نہیں کہہ دیا گیا۔برائیوں کو اچھالنا خوبی نہیں ہے بلکہ انہیں نظر انداز کرنا خوبی ہے۔

علی ابن بساط نے امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا مجھے اپنی لڑکیوں کیلئے میرا جیسا کوئی لڑکا نہیں ملا جس سے میں انہیں بیاہ دوں امامؑ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اس قدر احتیاط کی ضرورت نہیں۔آنے والے رشتہ پر نکتہ چینیوں کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکی گھر میں بیٹھی رہتی ہے اس کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں رنگ روپ ختم ہوجاتا ہے، بہار کا موسم رخصت ہوجاتا ہے۔

ایسے معاملات میں ایک طرف امامؑ کی یہ تعلیم اور دوسری طرف چغلخور بے بات کی بات پیدا کرنے پر تلے رہتے ہیں۔رشتوں کے چھٹنے سے بدتر دو افراد میں جدائی اور ان میں عداوت و نفاق پیدا کر دینا ہے۔جبکہ باہم محبت اور صلح و صفائی کی اسلام میں اتنی اہمیت ہے کہ جھوٹ جیسی برائی بھی نیکی بن جاتی ہے۔

رسول خداؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”صدقات فاضلہ میں سے لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔اس کیلئے جھوٹ بھی جائز ہے۔

❋❋❋

کیا آپ مسلمان ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، محرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۲۲ھ، اپریل، مئی ۲۰۰۱ء)

''مسلمان''یعنی اپنے معبود حقیقی کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے مسلمان یعنی فتنہ وفساد سے دور رہنے والے اور سلم و صلح کو گلے لگائے رہنے والے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اگر آپ کے ہاتھوں کسی کلمہ گو کو نقصان پہنچ گیا تو آپ مسلمان نہیں ہیں۔

اِنَّمَا الْمُسلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسلِمُونَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسانِہٖ۔

(جامع الاخبار)

صبح اٹھنے کے بعد اگر آپ اپنے برادران اسلامی کی بہبود کا خیال دل میں نہیں لائے یا ان کی پکار پر لبیک نہیں کہا تو آپ مسلمان نہیں۔

''مَنْ اَصْبَحَ و لم یَهْتَمَّ بِاُمورِ الْمُسْلِمِینَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً یُنادِی یا لِلْمُسْلِمِینَ فَلَمْ یُجِبْهُ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ۔ (اصول کافی، ج2، ص164، ح5.)

اسلام وقتی دین نہیں یہ تو پوری زندگی کا سرمایہ ہے۔ عقبیٰ کو سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ یہ صرف مسجد کی دولت نہیں، یہ صرف گھر کا سرمایہ نہیں، یہ انسان کی معاشرتی زندگی کا مایہ افتخار ہے۔ اس پر گھر میں بھی عمل کرنا ہے اسے بازار میں

کیا آپ خوگر انتقام ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح مئی ۲۰۰۴ء، ربیع الاول ۱۴۲۵ھ)

ارشاد الٰہی ہے: {والذین استجابو لربھم -----} (ترجمہ)
اور جو اپنے رب کی بات کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور باہمی معاملات میں مشورہ کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں راہ خدا میں خرج کرتے ہیں اور جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے یا ظلم توڑا جاتا ہے تو اس کا انتقام لیتے ہیں اور ہر برائی کا بدلہ اس کے جیسا ہوتا ہے (یعنی افراط وتفریط نہیں ہوتی پھر جو اصلاح کے ساتھ معاف کردے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ یقیناً ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے اور جو شخص بھی ظلم کے بعد بدلہ لے اس کے لئے کوئی الزام نہیں ہے الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیوں کو رواج دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کردے تو اس کا یہ عمل انتہائی دل وجگر کا کام ہے۔

(سورہ شوریٰ آیات ۳۸ تا ۴۳)

اس مفہوم کو ادا کرنے والے آیات

پ ۲ بقرہ: آیت ۱۷۹،۱۷۸، ۱۹۴، مائدہ پ ۶: آیت ۴۵، اسراء پ ۱۵: آیت ۳۳ بھی ہیں اس مفہوم کو بس اس روشنی میں نگاہوں میں رکھیں کہ اسلام دین فطرت ہے، دین حکمت ہے جو شخص ظلم وزیادتی کا شکار ہوا ہو اگر اس

کے جذبات کو گھونٹ دیا جائے اسے بدلہ لینے کی اجازت نہ دی جائے اس سے آہ و فریاد کا حق چھین لیا جائے تو زخم ناسور بن سکتا ہے، چنگاری آتش فشاں بن سکتی ہے ہوا آندھی کا رخ اختیار کر سکتی ہے لہذا اسلام نے قصاص کا حق پوری فراخدلی سے دیا ہے۔ لیکن اس بدلہ کی کارروائی میں "اسی طرح کے بدلہ کی شرط رکھ دی ہے تاکہ فتنہ وفساد کو ہوا نہ ملے اور مظلوم بدلہ میں زیادتی کے سبب ظالموں کی صف میں نہ چلا جائے اور یہ ہر ایک کے لئے کوئی آسان کام نہیں لہذا فورا بعد صبر کرنے اور معاف کر دینے کی ستائش کی گئی ہے گویا بتدریج جذبات کو ٹھنڈا کرنے کا یہ ایک نفسیاتی عمل ہے جو انسان خود میں صبر کا ملکہ پیدا کرلے تو ارحم الراحمین اسے پورا پورا سہارا دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"والیعفوا ۔۔۔۔۔۔۔۔ (ترجمہ) معاف کرو اور چشم پوشی کرو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورہ نور: آیت ۲۲)

اگر آپ خود انتقام لینے کے بجائے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں تو وہ "اسرع الحاسبین" ہے یعنی بہت تیزی سے مواخذہ کرنے والا ہے اگر آپ اپنے بل پر یا اپنے جیسے مددگاروں کے بوتے پر بدلہ لینے کے لئے تلے رہے تو کیا آپ کی طاقت اور کیا آپ کی سکت، صبر کیجئے تو قدرت بہت جلدی بہت کچھ دکھا دے گی آپ کو فقط اتنا کرنا ہے کہ اپنے حریف کو اللہ کا حریف بنا دینا ہے اس کی شرط صبر ہے"۔ وہ صریحی طور سے ارشاد فرماتا ہے: {ان اللہ مع الصابرین} اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (انفال: پ ۱۰، آیت ۶۶)

ممکن ہے ظالم آپ کو اپنی قوت اپنی دولت اپنے اقتدار سے ڈرائے لیکن جب آپ کا حلیف اللہ بن گیا تو آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اللہ پر بھروسہ کیجئے معاملات اس کے سپرد کر دیجئے وہ عادل حقیقی ہے اور ایسا انتقام لے گا جو انتقام لینے کا حق ہے شرط یہ ہے کہ آپ کا حریف واقعاً زیادتی کرنے والا ہو نہ یہ کہ زیادتی آپ کی طرف سے ہو اور آپ مظلوم بن کر ساری ذمہ داری اپنے حریف کے سر ڈال دیں اس منزل میں پہلے اپنا محاسبہ کر لینا بہت ضروری ہے اکثر کوئی معمولی بات ہوتی ہے جو آسانی سے سلجھ سکتی ہے یا کوئی بھی بے بات ہوتی ہے یا کوئی غلط فہمی ہوتی ہے جذباتی افراد اتنے ہی پر غصہ گرمی اور انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں، یہ حوصلہ کے ہم فلاں کو خاک میں ملا دیں گے، دھول چٹا دیں گے، ناک رگڑ دیں گے یہ کینہ توزی،، غرور اور تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے انسان اپنی کسی فانی مادی طاقت پر اترانے لگتا ہے جبکہ یہ سب بذات خود انتہائی مذموم عادتیں ہیں ۔جن کا انجام بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے اور یہ سب کر کے بھی انسان مطمئن نہیں ہوتا ہے بلکہ جوابی حملہ کا اسے خدشہ رہتا ہے اس لئے کہ معمولی دشمن کو بھی کمزور نہ سمجھنے کی ہدایت موجود ہے۔ لہذا ایک عقلمند انسان ایسے جذباتی فیصلوں سے بچتا ہے انتقام لینے کا حق اسی کو ہے جس پر ظلم ہوا ہے۔ اور اس صورت میں بھی معاف کر دینا افضل ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ خداوند عالم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: یا محمد ــــــــ اے محمد اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اسے معاف کر دو جس نے تم پر ظلم کیا ہے اس سے بخشش سے کام لو جس نے تمہارے لئے اپنے ہاتھوں کو

روک رکھا ہے اور اس سے تعلقات استوار کرو جس نے تم سے قطع تعلق کر رکھا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۵، باب ٦٦)

پیغمبرؐ اسلام کے ارشادات ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

''انا اللہ ۔۔۔ (ترجمہ) اللہ بہت زیادہ معاف کرتا ہے اور معاف کرنے کو دوست رکھتا ہے

(کنز العمال ج ۳، ص، ۳۷۳)

علیکم بالعفو ۔۔۔ (ترجمہ) تمہیں معافی سے کام لینا چاہئے۔ معاف کر دینا عزت ہی بڑھاتا ہے۔ پس معاف کر دیا کرو اللہ تمہیں عزت ہی دے گا۔ (بحار الانوار جلد ۱۷، باب ۹۳)

من کشا ۔۔۔ (ترجمہ) جو کثرت سے معاف کرتا ہے اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۵ باب ۸۱)

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: العفو ۔۔۔ (ترجمہ) معاف کر دینا بزرگیوں کا تاج ہے۔

(۲) شیئان ۔۔۔ (ترجمہ) دو چیزوں کے ثواب کا وزن نہیں کیا جا سکتا، ایک معاف کر دینا دوسرے عدالت برتنا۔ (بحار الانوار جلد ۱۷ باب ۹۳)

قلۃ العفو ۔۔۔ (ترجمہ) کم معاف کرنا بدترین عیب ہے اور انتقام لینے میں جلدی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۷، باب ۹۴)

اس آخری حدیث میں امیر المومنینؑ نے انتقام لینے کی نہیں بلکہ انتقام

لینے میں جلدی کرنے کی مذمت کی ہے۔اس میں یہ بھی حکمت پوشیدہ ہے کہ بعض ظالمین اور زیادتی کرنے والے معاف کرتے رہنے یا بدسلوکی کو نظر انداز کرتے رہنے کو مدمقابل کی کمزوری سمجھ کر چڑھتے چلے آتے ہیں اور ان کی جسارتیں بڑھتی رہتی ہیں لہذا حتی الامکان طرح دینے کے بعد ان سے عادلانہ بدلہ لینے کی گنجائش رکھی گئی ہے ورنہ بصورت دیگر معاف کردینے کا بے انتہائی اجروثواب ہے۔رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) روز حشر اہل فضیلت و برتری کو آواز دی جائے گی ایک گروہ سامنے آئے گا ملائکہ ان سے امتیاز کی وجہ پوچھیں گے۔جواباً وہ بتائیں گے کہ بسااوقات بسبب نادانی لوگ ہماری توہین کرتے تھے تو ہم برداشت کرتے تھے۔ہم سے بدل سلوکی ہوتی تھی تو ہم معاف کردیتے تھے اس وقت ندائے قدرت آئے گی فرشتو! میرے یہ بندے سچ کہتے ان کا راستہ چھوڑو تاکہ بغیر حساب یہ جنت میں داخل ہوجائیں۔(وسائل الشیعہ، کتاب الحج، ص ۲۸۷)

اولا تو خود دوسروں پر ظلم و زیادتی اور ان سے بدسلوکی سے بچئے یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے صاحب معاملہ نہ معاف کرے تو اللہ بھی معاف نہیں فرماتا ثانیاً اگر آپ کے ساتھ واقعاً زیادتی ہوئی ہے تو عفو ودرگزر سے کام لیجئے یا انتقام لینے میں جلدی نہ کیجئے۔

❁❁❁

کیا آپ باریک بین ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جولائی ۲۰۰۴ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ)

باریک بین وہ نہیں ہے جو بال کی کھال نکالنے والا اور نکتہ چیں ہو، یہ مذموم صفت ہے باریک بین وہ ہے جو حالات کے نشیب وفراز پر نظر رکھتا ہو اور کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے اچھے یا برے نتائج کا سنجیدگی سے جائزہ لے لیتا ہو۔ جو تنگ نظر نہیں وسیع النظر ہو دوسروں کا بھی برا نہ چاہتا ہو بلکہ ان کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے۔ سرسری نگاہ رکھنے والے فیصلے عقل سے نہیں کرتے ہیں، خود بھی نقصان اٹھاتے ہیں دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں ایسا وہ کرتے ہیں جو ریشم کے کیڑے کی طرح دنیا کے جال میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں ان میں دنیا کی کشش اتنی ہوتی ہے کہ اس کے خلاف انہیں جو متوجہ کرے اسکے یہ جانی دشمن بن جاتے ہیں یہ کوئی کم المیہ نہیں کہ حقیقی دوست کو دشمن کی صف میں کھڑا کر دیا جائے۔ اور بھلا چاہنے والے سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من احتقر مومنا حقرہ اللہ ۔۔۔۔ جس نے کسی مومن کی تحقیر کی اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا فرمائے گا۔ (تحف العقول، ص ۱۰۶)

امیر المومنینؑ سے پیغمبر اسلامؐ نے وصیت کے ضمن میں فرمایا تھا:

''اے علیؑ جس کی زبان سے لوگ خوفزدہ ہوں وہ شخص اہل جہنم میں سے ہے''۔ (من لایحضر الفقیہ ج ۴، صفحہ ۲۵۴)

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

''میرا عزیز ترین دوست وہ ہے جو میرے عیوب و نقائص کو بطور ہدیہ میرے سامنے پیش کرے''۔ (تحف العقول، صفحہ ۴۱۵)

اکثر مخلص کے مقابلے میں مکار دوست بن کر سامنے آتے ہیں اور دوستی کی آڑ میں خنجر پہلو میں اتارتے ہیں۔ اس کا اندازہ بھی باریک بین ہی کر سکتا ہے کہ یہ حقیقی دوست ہے یا دوست کے بھیس میں دشمن جس کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ دوسروں کی تذلیل ہوتا ہے۔ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا:

''آخری زمانے میں دو چیزیں بہت کمیاب ہو جائیں گی ایک وہ دوست جو لائق اعتماد ہو اور دوسری حلال روزی۔ (تحف العقول، صفحہ ۵۸)

آپ اگر باریک بین نہیں ہیں تو آپ کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آپ خود اپنے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آپ ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے ہیں ہوش نہیں آتا دنیا سے تلخ تجربات ہوتے ہیں لیکن راہ راست اختیار نہیں کرتے آپ کی دوسروں کے عیوب پر گہری تنقیدی نظر رہتی ہے لیکن اپنے عیوب کو دیکھ کر ان کی اصلاح نہیں کرتے، آپ کو اگر کوئی دوسرا قابل اعتماد دوست نہیں ملتا تو کم از کم خود کو تو اپنا دوست بنائیے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بجائے جن عیوب نے آپ کو شدید نقصان پہنچایا ہے ان سے بچئے

اور زندگی کو فقط تجربات میں نہ گزاریئے۔

امیرالمومنینؑ کا ارشاد گرامی ہے:

یا ایھا س! طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس۔

خوشا حال اس کا کہ جسے خود اس کے عیوب دوسروں کی عیب جوئی سے بچائے رکھیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۴)

باریک بیں عقلمند ہوتا ہے جب کہ امیرالمومنینؑ ہی کا قیمتی ارشاد ہے:

''جو شخص لوگوں کے عیوب کو تو برا سمجھے اور اپنے لئے ان معیوب سے راضی رہے وہ احمق ہے۔ (غرر الحکم صفحہ ۶۸۹)

جو لوگ اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کے ماہر ہوتے ہیں وہ دوسروں کے عیوب بہت اچھالتے ہیں تاکہ لوگوں کی توجہ ان کی طرف سے ہٹ جائے جیسے چور، چور۔ چور کا شور مچا کر لوگوں کو دوسری طرف دوڑا کر خود بچ نکلتا ہے۔ لوگوں کی نگاہ سے بچنا آسان ہے، نگاہ قدرت سے بچنا ناممکن ہے انسان باریک بینی سے اپنا جائزہ نہ لے اور اس کا بنیادی سبب اس کے اندر پنپنے والا بڑائی کا احساس، غرور کا نشہ اور خود پسندی کا زہر ہوتا جو عقل سے پرے چیز ہے۔

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے:

"عجب المر بنسفسہ احد حساد عقلہ. انسان کا اپنی ذات پر اترانا عقل کے حاسدوں میں سے ایک ہے۔ (نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۱۲)

جتنا اس مرض کے شکار تباہی و بربادی سے دور چار ہوتے ہیں اتنا کسی اور نفسانی مرض کے شکار کم ہی برباد ہوتے ہیں۔

باریک بینی سے جائزہ لیجئے تو معاشرے کی اونچ نیچ اور بہت سے مسائل کی بنیاد یہی لعنت ہے۔ اپنے نقائص کو آپ اپنے تکبر کے زور پر اچھائیوں سے بدلنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں دوسروں پر سخت تنقید کرتے ہیں اپنے اصلاح کی جانب متوجہ نہیں ہوتے ہیں آپ اگر کوئی کام انجام دیں تو چاہتے ہیں سب اس کی تعریف کریں لیکن دوسروں کی کارکردگی کا اعتراف تو دور کی بات ان کے کاموں میں کیڑے نکالتے ہیں اپنی سکت وصلاحیت کا پہلے جائزہ لینا ضروری ہے لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے آپ کو اپنے لڑکے کی شادی کرنا ہے۔ ولو وہ ناکارہ ہو آپ کے گھر میں جگہ نہ ہو لیکن ایسی بہو لانا چاہتے ہیں جو کئی ٹرک جہیز لائے چاہے اسے دوسرے کے گھروں میں رکھنا پڑے آپ داماد ایسا چاہتے ہیں جو تنہا ہو اور وسیع و عریض محل کا مالک ہو دولت میں کھیل رہا ہو۔ چاہے اس کی مہمانداری کے لئے آپ کے پاس جگہ نہ ہو آپ کیسے باریک بین ہیں کہ کفو و برابری کا تصور آپکے ذہن میں ہے ہی نہیں جو اسلامی تصور ہے آپ کو دوسروں کی غلط روش اور ان کی بے دینی پر بڑا افسوس ہے جو بجا ہے لیکن کیا کبھی آپ نے خود اپنا جائزہ لیا کہ آپ خود شریعت پر کتنا عمل کرتے ہیں دین کا احترام آپ کی نگاہوں میں کتنا ہے؟ آپ کے اہل خانہ احکام شریعت پر کتنا عمل کر رہے ہیں؟ آپ کے اسلاف میں اگر دیندار تھے تو ان کی روحیں کہیں تڑپ تو نہیں رہیں آپ اپنے اور اپنے خانوادہ کے فانی دنیا کے اسباب پر تو راضی ہو گئے لیکن دائمی عقبیٰ کی جانب توجہ نہیں کی اور اگر کسی نے ہمدردی سے متوجہ کر دیا تو آپ اس پر چڑھ دوڑے اور آپ نے اسے باریک بین نہ سمجھا بلکہ اسے ایسی ''مہین'' مخلوق سمجھا جو گویا آپ کے درپئے آزار

ہے کہیں آپ اس طبقے میں تو نہیں ہیں جس نے غلط روش کو ''عادت'' بنالی ہو اور اسے ''احساس زیاں'' بھی جاتا رہا ہو۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ وہ سلامتی دنیا کی جانب اتنا متوجہ ہوں گے کہ انہیں اپنے دین کی تباہی پر کوئی افسوس نہ ہوگا۔

(تحف العقول صفحہ ۵۷)

اپنے گردوپیش کا باریک بینی سے جائزہ لے کر ہوشیار ہو جایئے قبل اس کے مہلت تمام ہو جائے۔

❁❁❁

بھی برتنا ہے اگر آپ مرد مسلم ہیں تو اسلام آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

اسی لئے تو خداوند عالم نے ہمیں اور آپ کو حکم دیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔

"مکمل طور سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطانی خطوط کی پیروی نہ کرو"

(البقرہ ۲۰۸)

اسلام ایک باوقار دین ہے اور عزت بخشنے والا دین ہے اس کی راہ میں جان سے گزرنے والے بھی سرخرو ہوتے ہیں رسوا نہیں ہوتے۔ اس دین کو آپ کی عزت کا خیال ہے لیکن کیا آپ کو بھی اس دین کی حرمت و عزت کا پاس ہے؟ اگر تھوڑا سا پاس ہوتا تو آپ خود کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے اپنے عادات و اطوار و خواہشات کے مطابق اسلام کا ایک نا قابل شناخت ہیولیٰ تیار نہ کرتے۔

تاریخ کے دریچوں سے دیکھئے ایک اسلام وہ بھی تھا جو غاصب حکمرانوں کا تھا۔ ایک اسلام وہ بھی تھا جو درباری علماء کا تھا۔، ایک اسلام وہ بھی تھا جو سرکش امراء کا تھا اپنے فائدے کے لئے ہر ایک نے اسلام کی صورت اتنی مسخ کردی کہ اس کی شناخت ہی مشکل ہوگئی۔ طرح طرح کے اسلام مقصود پروردگار نہیں یہ وہ اسلام نہیں جس کیلئے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔

"یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہے" (آل عمران ۱۹)

کیا آپ دور اندیش ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اگست ۲۰۰۴ء، رجب المرجب ۱۴۲۵ھ)

باریک بینی سے ملتی جلتی صفت دور اندیشی ہے اس صفت سے متصف انسان کنویں کا میڈھک نہیں ہوتا وہ معاملات کو صرف اپنے مفاد یا اپنے گرد و پیش کے ماحول ہی میں نہیں دیکھتا بلکہ ہر معاملے کے دوررس نتائج پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ ۲۹ر کا چاند اگر آپ اپنے مکان کے سقف و سائبان پر دیکھنا چاہیں تو دکھائی نہیں دے گا۔ رویت ہلال کا مقصد حاصل کرنے کیلئے آپ کو خلا میں دور تک نظر دوڑانا ہے۔ یہ معاملہ ہے بصارت کا اور دور بینی میں بصیرت سے کام لینا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تحریر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ انسان اپنی انا اور انانیت غرور تکبر میں پڑ کر خود اپنا بہت کچھ برباد کر دیتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہوتا ہے کہ اپنے خالق و رزاق معبود سے بھی چشمک پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یہ ''چیونٹی کے پر نکلنے'' جیسی کیفیت ہوتی ہے ہم دوسروں کی آرا پر اپنی رائے کو ترجیح دیتے دیتے اتنا عادی بن جاتے ہیں کہ اپنے معبود کی مصلحت و مشیت و مرضی پر بھی اپنے نظریہ اور رائے کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔

قدرت جھوٹ، کذب بیانی کو سخت ناپسندیدہ فعل قرار دیتی ہے۔ ان کا کہنا

ہے کہ آج کے دور میں کوئی تجارت بغیر جھوٹ کے کب پنپتی ہے۔ اللہ حیلہ سازی، دھوکہ بازی، مکاری کو نگاہ غیض و غضب سے دیکھتا ہے۔ ان کی منطق ہے کہ بغیر دھوکہ اور مکر کے کہاں کام چلتا ہے۔؟ اللہ حد بلوغ پر پہنچنے والے نوجوان پر نماز روزہ واجب قرار دیتا ہے ان کی نظر میں ان کی لاڈلی اولاد کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔ نماز روزہ کی مشقتیں اس کی صحت بگاڑ دیں گی۔ معبود کی نگاہ میں لڑکا، لڑکی بالغ ہونے کے بعد شادی کے لائق ہیں ان کی نگاہ میں جب تک دولت قارون اپنے ہاتھ نہ آجائے لڑکی شادی کے لائق نہیں اور جب تک شداد کی جنت نہ بنالے لڑکا شادی کے لائق نہیں۔ اللہ کی نگاہ میں کفو دینداری ہے ان کی نظر میں مال و دولت و اقتدار ہے، چاہے اس کے تباہ کن تنائج جلد ہی سامنے کیوں نہ آجائیں؟ سورہ نور کی آیات گواہ ہیں کہ پردہ سماج کو صحت مند رکھنے کیلئے ضروری عمل ہے۔ ان کا یہ نظریہ کہ زینت کو ظاہر کئے بغیر کام چلنے والا نہیں اور پردہ کی ''قید'' میں رہ کر کب اپنا در مقصود حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ''فرسودہ'' روایت ہے جسے اس ترقی یافتہ دور میں نہیں برتا جاسکتا، قدرت کی نظر میں رزق حلال ذریعہ برکت ہے۔ ان کی نظر میں مال ہاتھ آنا چاہئے۔ چاہے حرام ہی ذریعہ سے ہاتھ آئے۔ قرآنی نظریہ ہے کہ دنیا دھوکہ کی پونجی ہے ان کا نظریہ ہے کہ یہ دنیا ہی تو سب کچھ ہے۔ آخرت کی خبر خدا جانے، گویا جو نگاہ قدرت میں نامناسب ہے وہ ان کی نظر میں عین مناسب ہے العیاذ باللہ نگاہ قدرت وہاں نہیں پہنچ پاتی جہاں ان کی ''دوربین'' نظر پہنچ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دوربین ہوتے تو دنیا کی ساٹھ، ستر، اسی سالہ زندگی میں الجھ کر نہ رہ جاتے اس حیات اخروی کی طرف نظر ڈالتے جو دائمی

ہے اوراس چندروزہ زندگی کا وبال ہمیشہ کیلئے نہ لے جاتے۔ یہ دنیا کی رعنائیوں کا شکار بن کر ہم آپ جو کچھ بھی کرتے ہیں یہ کسی ''دور اندیشی'' کا نتیجہ نہیں بلکہ ''خواہش نفس'' ہے جس نے انسان کو فرعون وشداد ہامان یزید بنادیا حضرت خاتم الانبیاءؐ کا ارشاد ہے:

ترجمہ/ ''میری امت کے بیشتر افراد شکم پرستی اور شہوت رانی کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنیں گے''۔ (وسائل جہاد نفس ۵۰۲)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ/ ''گذشتہ امتوں کو بھی انہیں دو چیزوں نے ہلاک کیا اور بعد والوں کو بھی یہی دو خصلتیں ہلاک کریں گی۔ ایک وہ لمبی لمبی آرزوئیں جو آخرت کو فراموش کرادیتی ہیں۔ دوسری خواہش پرستی'' (بحار الانوار جلد ۱۵ ؍صفحہ ۱۰۷)

آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ترجمہ/ ''اگر تم پوری زندگی روزے رکھو، پوری زندگی تمام رات عبادت میں بسر کرو اور رکن ومقام کے درمیان قتل کردئے جاؤ پھر بھی اللہ تمہیں تمہارے خواہشات کے ساتھ محشور فرمائے گا۔ خواہ وہ خواہشات کسی بھی سطح کے ہوں۔ اگر تمہارے خواہشات جنت کے متقاضی ہیں تو جنت میں جاؤ گے اور اگر خواہشات دوزخ کے متقاضی ہیں تو دوزخ میں جاؤ گے۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ؍صفحہ ۷۲۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ/ ''اپنے خواہشات سے اس طرح بچو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے بچتے ہو اس لئے کہ خواہشات کی پیروی اور بے ہودہ گوئی سے زیادہ کوئی کسی کا

دشمن نہیں''۔(سفینۃ البحار تشریح لفظ)

امام جعفر صادقؑ نے اس طرح اس کا علاج اور اس کی وضاحت فرمائی ہے:

ترجمہ/ ''بکثرت یادالٰہی سے مراد یہ ہے کہ انسان سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اگرچہ تسبیحات اربعہ بھی ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔ یاد الٰہی سے مراد ہی ہے کہ اللہ کو انسان حلال وحرام کے وقت یاد کرے اگر انسان کو کوئی واجب کام انجام دینا ہو تو اللہ کو یاد کرے اور اس کی برکت سے اپنا فرض ادا کرے اور اس کا اگر کسی فعل حرام سے سابقہ پڑ جائے تو اس وقت اللہ کو یاد کرے اور اس کی نافرمانی سے خود کو بچاتے ہوئے فعل حرام کو ترک کردے''۔

(مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ/ جو شخص کسی گناہ کے ارادہ کے وقت یا کسی اطاعت کے معاملہ میں خوف خواہش، غضب ورضا میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن پر دوزخ کی آگ کو حرام قرار دے گا''(بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۲ حصہ دوم)۔

حقیقی دوراندیشی یہی ہے کہ انسان اس دنیا سے اتنا حاصل کرے جتنا اس کے لئے واقعاً ضروری ہو، اپنے ماحول اور آئندہ نسل کو سدھارنے پر توجہ دے اور اس حقیقت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھے کہ ''الدنیا مزرعۃ الآخرۃ'' دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

❁❁❁

کیا آپ خود کے دوست ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح ستمبر ۲۰۰۴، شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ)

دوسروں سے چاہے جتنی دشمنی برت لے انسان مگر وہ اپنی دانست میں خود کا دوست ہی ہوتا ہے۔ ''مطلبی یار'' کی اصطلاح ہے تو عوامی مگر حقیقت سے قریب ہے زیادہ تر انسان اپنے بارے میں سوچتا ہے دوسروں کے بارے میں کم سوچتا ہے۔ ہر چیز میں اس کا اپنا مطلب نمایاں رہتا ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو ''نام نہاد'' مسیحائی کا بھی کارنامہ انجام دیدیتا ہے فارسی مثل ہے ''دیوانہ بکار خویش ہوشیار'' پاگل اپنے معاملہ میں ہوشیار ہوتا ہے۔

لیکن کیا یہ واقعاً کوئی قابل تعریف بات ہے؟ اور کیا ان خوش فہمیوں میں گھرا ہوا انسان خود اپنی ذات سے دوستی کا حق ادا کر دیتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ جو ہمارا اور آپ کا نفس امارہ ہے یہ بڑا شاطر ہے، یہ نمائندہ ابلیس ہے تو انسان کا ازلی دشمن مگر اپنی فریب کاریوں سے ہمیں یہ سبق پڑھانے میں کامیاب رہتا ہے کہ ہم تمہارے بڑے پکے دوست ہیں اس کے فریب میں ہم معمولی انسان کیا بڑے بڑے آجاتے ہیں۔ نفس لوّامہ یعنی ملامت کرنے والا نفس ہمارا مخلص دوست ہے بنیادی طور سے بڑا طاقتور ہے لیکن نفس امارہ کے تعاون سے ہم اسے بہت کمزور بنائے رکھتے ہیں یہ نفس امارہ ہمارے اور آپ کے اندر نفسانی بیماریاں پیدا کرتا ہے اور اشرف المخلوقات کو دو کوڑی کا بنا دیتا ہے کبھی یہ حب مال پیدا کرتا

ہے کبھی یہ حب جاہ پیدا کرتا ہے اور کبھی یہ دیگر نفسانی خواہشات کو ہوا دیتا ہے۔ اس کی باگ ڈور ابلیس کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ جو ہزاروں برس اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہ چکا ہے وہ مزاج مشیت سے خوب واقف ہے اسے معلوم ہے کہ معبود۔۔۔ ارحم الراحمین ہے۔ بندہ اگر ذرا سے بھی پگھلا نرم و نادم ہوا تو وہ معاف فرمادے گا۔ ہمارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ لہذا وہ اپنے شکار پر ایسا جال ڈالتا ہے جس کے پھندوں سے آزاد ہونا آسان نہ رہ جائے۔ بندوں کے حقوق کی پامالی اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے جس کے ذریعہ وہ طویل عرصہ تک اپنے شکار کو یرغمال بناتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد ہمیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم دھوکے میں رہے۔ یہ کیا ہوا؟ ہم اپنے دوست نہیں بلکہ بڑے دشمن ثابت ہوئے اور یہ قناعت کا دامن چھوڑنے سے ہوا۔

وقت رہتے احساس نہ ہونے کی بنیاد زمانہ دراز تک عمل کی تکرار ہے۔ جو عادت کی شکل اختیار کر لیتی ہے پہلی بار ٹھوکر لگے تو انسان کو درد کا شدید احساس ہوتا ہے۔ لیکن جب اسی جگہ بار بار ٹھوکر لگے تو بتدریج درد کا احساس کم ہوتا جاتا ہے۔ احساس درد تو کم ہوتا ہے مگر زخم ہرا رہتا ہے۔ جو ایک دن ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ خود احتسابی جاری رکھئے، تقاضائے بشریت سے نفس ٹھوکریں کھائے گا تو خود احتسابی کی مدد سے اس میں سنبھلنے کی سکت و صلاحیت رہے گی۔ اور آپ اپنے واقعی دوست و دشمن کی پہچان کی صلاحیت سے محروم نہ رہیں گے۔ آپ غیر معصوم ہیں تو یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ آپ سے فلاں غلطی ہوئی کیسے؟ سوال یہ ہے کہ آپ کو اس کا احساس ہوا یا نہیں۔ اور پھر آئندہ کے لئے آپ نے اس کا کوئی

موثر تدارک کیا یا نہیں؟

دیانتداری ہر معاملہ میں برتنا چاہئے؟ بالخصوص مالیات میں صحیح غلط اب تو اس معاملہ میں اہل علم پر بھی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں۔ جبکہ اس حلقہ میں دیانت کی بہترین مثالیں بھی موجود ہیں۔

کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا میں نے بھی زیارت کی ہے۔ جامعہ سلطانیہ لکھنؤ کے ایک بہت مقدس اُستاد تھے مولانا سید علی حسین رضوی صاحب قبلہ طاب ثراہ جو یہیں مسجد دیوان ناصر علی مرحوم لکھنو کے ایک مکان میں رہتے تھے ان کے شاگردوں میں متعدد اہم علماء آج بھی موجود ہیں۔ مولانا سید لیاقت رضا صاحب ناقل ہیں کہ مرحوم نے یہ عہد کیا تھا کہ مدرسہ سے صرف اپنے واجبی ضروریات کے لئے رقم لوں گا مختصر تنخواہ میں سے مہینہ ختم ہونے پر اگر کوئی رقم واجبی اخراجات میں سے بچ رہتی تھی تو اسے وہ مدرسہ کے پرنسپل سید الفقہاء مولانا سید محمد صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں واپس کردیتے تھے، ماضی رخصت ہوا زمانہ بدلا قدریں بدلیں کل اور آج میں بہت فرق ہوگیا۔

تن آسانی کے خواہشات نے ضروریات کا دائرہ وسیع کردیا احتیاط کا دامن ہاتھ سے گیا۔ چاہے وہ کوئی بھی معاملہ ہو اب ایسے علماء کی روحیں اگر تڑپتی ہیں تو تڑپتی رہیں یاد رکھئے جو ماضی سے نصیحت یا عبرت حاصل نہیں کرتے ان کا مستقبل بڑا اذیت ناک ہوتا ہے اور اس مستقبل میں زمانۂ آخرت بھی شامل ہے۔

ہمیں اور آپ کو اگر نفس امارہ پر قابو نہیں ہے تو ہم خود کے دوست نہیں سب سے بڑے دشمن ہیں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند سپاہیوں کو محاذ جنگ پر روانہ فرمایا جب وہ کامیاب واپس آئے تو فرمایا میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اس چھوٹے جہاد پر جو تم کر کے آئے ہو اور بڑا جہاد ابھی باقی ہے۔ سوال ہوا یا رسول اللہ بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نفس سے جہاد کرنا اور یہ بھی افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس سے جہاد کرو جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان موجود ہے۔

(وسائل الشیعہ، کتاب جہاد، صفحہ ۵۰۲)

اگر آپ کو انشاء اللہ مستقبل قریب میں امام زمانہؑ کی ہمراہی میں فریضہَ جہاد ادا کرنا ہے تو اس جہاد بالنفس کی مشق جاری رکھئے جس کے لئے اذن معصوم کی بھی کوئی شرط نہیں۔ بلکہ ایک فریضہ ہے جو اس زمانہ میں مزید سنگین فریضہ ہے۔

کیا آپ یک طرفہ سوچتے ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اکتوبر ۲۰۰۴ء، رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ)

دنیا میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو اپنے ہی بارے میں سوچتی ہے اپنا ہی مفاد عزیز رکھتی ہے۔ دوسروں سے اپنا ہی کام نکالنا جانتی ہے ان سے اپنی ہی بات منوانا چاہتی ہے اور ہمیشہ وہ اپنی ہی پریشانیوں کا اظہار کرتی ہے۔ ظاہر ہے یہ کھلی ہوئی خود غرضی ہے جو مذموم اخلاقی بیماری ہے اس سے پیچھا چھڑانے کیلئے آپ کو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنا ہے۔ دوسرے کے کام آنا ہے دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا ہے۔

سبط اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو دیکھا کہ رات بھر عبادت کرتی رہیں دعائیں مانگتی رہیں، دعائیں دوسروں کیلئے مانگیں نہ اپنے لئے کوئی دعا مانگی نہ اپنے گھر والوں کے لئے۔ صبح پھر آپ نے مادر گرامی سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے واشگاف الفاظ میں فرمایا! یَا بُنَیَّ اَلْجَارَ ثُمَّ الدَّار۔ بیٹا! پہلے پڑوسی پھر گھر۔

ایک صاحب کا ایک قریبی کیلئے کہنا ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی آمدنی کا ذکر کرتے ہیں خرچ کا نہیں اور اپنے خرچ کا ذکر کرتے ہیں آمدنی کا نہیں۔ لہٰذا ہمیشہ ان کی زبان پر شکوہ و شکایت کے الفاظ رہتے ہیں یہ یک طرفہ فکر ہے کہ ساری دنیا

خوشحال ہے اور آپ پریشان، ساری دنیا چین کر رہی ہے اور آپ مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔ آپ اپنے میں اور اپنوں میں اتنا گھرے رہے کہ آپ نے دوسروں کے مسائل پر توجہ دی ہی نہیں اور ان پر ہمدردی کی نگاہ ڈالی نہیں۔ اگر آپ نے دوسروں کے دکھ درد کو بانٹا ہوتا تو آپ مضطرب نہیں مطمئن اور پرسکون ضمیر کے مالک ہوتے کیا آپ اس راز تک ابھی نہیں پہنچے ہیں کہ حقیقی مسرت تو دوسروں کی خوشی میں ہے۔ آپ دوسروں کے کام آیئے وہ آپ کے کام آئیں گے۔ اس خام خیالی کو چھوڑ دیجئے کہ لوگ ہمیشہ آپ ہی کے پیچھے دوڑا کریں۔ اور آپ کے چاکر بنے رہیں۔

یہ خیرہ چشمی کی عادت جب پختہ ہوجاتی ہے تو العیاذ باللہ انسان اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی چشمک کرنے لگتا ہے۔ دین کا نام تو لیتا ہے لیکن اس میں بھی اپنا مطلب پوشیدہ ہوتا ہے۔ تبدیلئ مذہب کے کتنے ایسے واقعات ہوتے ہیں جو بظاہر حق کو تسلیم کرنے کے نام پر ہوتے ہیں لیکن در پردہ کوئی مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے یا کسی سے نکاح کرنا ہوتا ہے۔ مطلب نکلا اور پھر وہی آبائی مذہب ایسے میں وہ بھی خواہ مخواہ مشکوک ہوتے ہیں جو تحقیق و تدقیق کے بعد حق قبول کرتے ہیں۔ اور اکثر ساری زندگی سخت ردعمل کو ثابت قدمی سے جھیلتے ہیں۔ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان رکھتے نہیں بلکہ اللہ کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے توفیق خیر سے نوازا ہے۔

آپ کسی مقدمہ میں پھنس گئے اور عدالت و کچہری کے چکر لگانا پڑے کسی مخالف کے ہاتھوں آپ کا جینا دوبھر ہوگیا۔ کسی مرض نے ایسا پیچھا پکڑا کہ جان

یا: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

''جو اسلام کے علاوہ کوئی دین پیش کرے گا وہ اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

(آل عمران ۸۵)

آپ ٹھنڈے دل سے اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لیجئے کہیں آپ نے بھی تو اسلام کو تختۂ مشق نہیں بنایا ہے؟ کہیں آپ نے اپنی خودغرضی کے سبب دین کی غلط تشریح تو نہیں کی ہے؟ کہیں آپ نے اپنے محدود فائدے کے لئے دین مبین کو بڑا نقصان تو نہیں پہنچایا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کہاں کا اسلام اور کیسے مسلمان؟

خدا کے لئے اسلام کو سمجھئے اس کی بالادستی کو قبول کیجئے اور خود اس پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کیجئے اگر آپ علماء کے لباس میں ہیں تو آپ کی معمولی لغزش بھی اسلام کے دامن پر بدنما دھبے لگا دے گی، اگر آپ عوام میں سے ہیں تو حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ اپنی حیثیت کو نہ بھولئے اور زیادہ اونچا اڑنے کے چکر میں اسلام کو پستیوں میں نہ ڈھکیلئے۔

تائید باطل آپ کا شیوہ تو نہیں، اہل جور سے آپ کی سازباز تو نہیں، دشمنان اسلام کو آپ گلے تو نہیں لگاتے، اگر اس طرح کی کوئی بات ہے تو اکڑیئے نہیں کہ آپ مسلمان ہیں بلکہ سر ندامت جھکایئے کہ آپ نے مسلمان ہوکر اپنے دین کے وقار کو داؤں پر لگا دیا ہے۔ خدارا رحم کیجئے یہ دین محنتوں، صعوبتوں اور دقتوں کا ثمرہ ہے۔ یہ دین عظیم قربانیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کا اندازہ

بچانا دوبھر ہوگیا۔ کاروبار میں گھاٹا ہوگیا۔ کسی نے دھوکہ دے دیا مالی طور سے آپ قلاش ہوگئے تو آپ کی سوچ یہی تو ہوتی ہے کہ اللہ آپ کو ان مصائب سے جلد چھٹکارا دلا دے۔ آپ بارگاہ معبود میں روئے گڑگڑائے رسولؐ و امامؑ کا واسطہ دیا۔ دعا قبول ہونے میں کچھ تاخیر ہوئی تو بددلی کا شکار ہوگئے۔ اللہ ہی سے روٹھ گئے نبیؐ امامؑ سے شکوہ کرنے لگے۔ بات کیا ہے کہ جو آپ چاہتے ہیں وہ جلد پورا نہیں ہوتا۔ خزانۂ قدرت میں کون سی کمی ہے۔ لیکن کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا کہ جو اللہ آپ سے چاہتا ہے رسولؐ امامؑ چاہتے ہیں کیا باوجود اختیار کے وہ آپ پورا کرتے ہیں؟ کیا یہ خود غرضی والی یک طرفہ سوچ نہیں ہے؟

آپ اپنے معبود کے لئے سجدۂ واجب تک کے روادار نہیں اور خود یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا کوئی ایک خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہونے سے نہ رہ جائے۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ ''سکون قلب ذکر الٰہی میں ہے''۔ اور آپ سکون دل تلاش کر رہے ہیں اپنے ناروا خواہشات کی تکمیل میں معبود چاہتا ہے آپ ماہ صیام میں روزے رکھ کر واجب کو ادا کریں اور آپ یہ روزہ رکھنے کے لئے ہزار بہانے تراشتے ہیں۔ جن میں روزہ نہ رکھنے کی سکت نہیں ہے، شریعت سہلہ نے تو انہیں خود ہی چھوٹ دی ہے۔ لیکن ہٹے کٹے افراد جو دنیا حاصل کرنے کے لئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں خوب محنت و مشقت کرتے ہیں۔ وہ روزہ رکھنے کے معاملہ میں خود کو کمزور اور سالہا سال کا مریض ظاہر کرتے ہیں۔ جب بھی آپ پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے مقدس وسیلے یاد آتے ہیں جو بالکل درست ہے۔ کبھی کسی روضہ پر گئے کسی شبیہ روضہ پر گئے۔ حضرت عباسؑ کی درگاہ پر حاضر ہوئے۔ کس

لئے؟ یہی نا کہ جو آپ چاہتے ہیں وہ ہو جائے۔ لیکن انصاف سے بتایئے کہ اگر آپ مرد ہیں تو کیا حضرت عباسؑ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے چہرے پر داڑھی نہ ہو؟ اور اگر اس کے برعکس ہے اور یقیناً برعکس ہے تو وجاہت چہرۂ عباسؑ کو ذہن میں لاکر آپ خود پر شیر کردگار کے شیر کی ہیبت کیوں نہیں طاری کرتے؟ بارگاہ تاجدار وفا میں آپ اپنی کسی قسم کی قربانی دینے کے لئے تو تیار نہیں اور حاجت پوری نہ ہونے پر ''باب الحوائج'' کو بدنام کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اگر آپ خاتون ہیں تو اس پردہ کا خیال کیوں نہیں کرتیں جو شہزادیٔ کونین کی پسند ہے۔ ان کی پسند کو رد کر کے آپ کو اپنی پسند اپنی خواہش کے لئے ان سے مخاطب ہونے کی ہمت کیسے پڑ جاتی ہے۔ آپ کو مال دنیا بہت عزیز ہے آپ چاہتے ہیں مال کسی نہ کسی طرح آپ تک پہنچ جائے۔ لیکن آپ بھی کسی کے مال کے امین ہیں۔ کیا آپ خمس وزکوٰۃ کو اس کے حقدار تک پہنچانے پر آمادہ ہیں؟ حالت استطاعت میں سفر حج کا آپ نے کبھی ارادہ کیا؟ اگر نہیں کیا تو آپ کتنی دھاندلی سے کام لے رہے ہیں۔

ہم سب گنہگار ہیں، کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو بخشش کا وسیلہ ذوات قدسیہ ہی ہیں لیکن اگر کسی گناہ کو عادت بنا لیا جائے اسے سبک سمجھا جائے یا جائز سمجھا جائے تو نہ دعا میں اثر رہ جاتا ہے نہ قبولیت دعا کا حق رہ جاتا ہے اگر آپ واقعاً چاہتے ہیں کہ آپ کا چاہا پورا ہو تو جو آپ سے چاہا جا رہا ہے تو اسے پہلے پورا کیجئے۔

کیا آپ معتبر ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح نومبر دسمبر ۲۰۰۴، شوال ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ)

وہ انسان ہی کیا جو قابل اعتبار نہ ہو، چاہے وہ قول کی منزل ہو یا عمل کی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست گوئی و امانت داری کا کلمہ جانی دشمن کفار قریش نے بھی پڑھا تھا یہ ہے اعتبار ذات کہ جو انسان کو ایک باوقار و معتبر شخصیت بناتی ہے۔

بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں جن کی روش اور ان کا طریقۂ کار نامناسب ہوتا ہے اور وہ عوام کی نگاہوں میں اعتبار کا درجہ کبھی نہیں حاصل کر پاتے ولو وہ اپنے کو تیس مار خاں ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں آپ جو بھی چالاکی برتتے ہیں اس کی قلعی ایک نہ ایک دن عوام کے سامنے کھلتی ہے اور آپ اپنے ہی ہاتھوں اپنا اعتبار کھوتے ہیں لہٰذا قول وعمل میں آپ کو انتہائی صاف و شفاف ہونا چاہئے پیش معبود تو آپ کا عمل لائق محاسبہ ہے ہی لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ عوام بھی آپ سے غافل نہیں ہیں بلکہ آپ پر کڑی تنقیدی نظر رکھتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ اپنی جبلت سے مجبور ہو کر گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑنے کے عادی ہوں جس سے معاشرہ کے سکون میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہو۔ لیکن اس کا لازمی

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ پر لوگ اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ کچھ کرنے سے پہلے اور کچھ کہنے سے پہلے آپ کی اس کے انجام وعواقب پر بڑی گہری نظر ہونا چاہئے اکثر چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑی تباہی لانے کا سبب بن جاتی ہیں آپ اگر للّٰہیت کو اپنے اقوال و اعمال کا پیمانہ بنالیں تو آپ آنے والی بہت سے پریشانیوں سے بچ جائیں گے اور آپ کی ذات کا وقار بھی برقرار رہے گا۔ کیا ایسا نہیں ہوتا ہے کہ آپ نے کسی مباح کو ناجائز قرار دیا اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا کبھی کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتانے لگے اور لوگ آپ کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ یہ ہوا کیوں کہ آپ نے منشائے پروردگار کو معلوم کئے بغیر اپنی زبان کو حرکت دے دی ہاں اگر منشائے الٰہی کے مطابق کسی معاملہ میں آپ نے حق گوئی کا فریضہ انجام دیا ہے تو لومت و لائم کی پرواہ نہ کیجئے آپ کو اذیت تو ہو سکتی ہے لیکن آپ کی معتبریت پر حرف آنے والا نہیں بس پوری کوشش یہ کیجئے کہ مسلمات کے خلاف آپ کسی جدید نظریہ کے بانی نہ بنیں۔ خلاف مزاج شریعت کسی مسئلہ کا اختراع نہ کریں اور اپنی کسی بات کے ذریعہ فتنہ وفساد بدنظمی وانتشار کا سبب نہ بنیں۔ یہ سب اس وقت ممکن ہے کہ آپ مخلص ہوں منافق نہیں اس لئے کہ منافق سے اکثر خلاف حقیقت باتوں کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔

صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

(ترجمہ) ''جو شخص مسلمانوں کے روبرو اس طرح ہو کہ اس کے دو چہرے اور دو زبانیں ہوں تو وہ بروز حشر اس حالت میں محشور ہوگا کہ اس کی دو زبانیں آگ کے شعلوں کی ہوں گی۔

(اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۴۳)

آیۃ اللہ العظمیٰ خمینیؒ نے اس حدیث کی وضاحت میں تحریر فرمایا ہے کہ:

(ترجمہ) ''مسلمانوں کے درمیان دوروئی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ظاہری صورت اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی نمائش اس طرح کرے کہ جو اس کی اندرونی حالت اور باطنی کیفیت کے برخلاف ہو مثلاً کوئی یہ ظاہر کرے کہ وہ تم سے خلوص ومحبت رکھتا ہے اور باطن میں معاملہ اس کے برعکس ہو وہ لوگوں کے سامنے تو ان کی دوستی اور محبت کا دم بھرے اور ان کے پیٹھ پیچھے برعکس عمل انجام دے۔

دوزبانی یہ ہے کہ انسان جب کسی سے ملے تو اس کی خوب تعریف کرے اس کی چاپلوسی کرے اس سے اظہار دوستی کرے اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کو جھٹلائے اور اس کی غیبت کرے۔ پہلی صفت ''نفاق عملی'' اور دوسری صفت ''نفاق قولی'' ہے۔ شاید حدیث میں نفاق کی صفت بد کی جانب اشارہ ہو اس لئے کہ یہ دونوں صفتیں منافقین کے بدترین صفات میں سے ہیں اور سب سے نمایاں خصوصیات ہیں'' (چہل حدیث، حدیث ۹)

منافق کا سب سے بڑا المیہ یہی ہوتا ہے کہ وہ ناقابل اعتبار ہوتا ہے آپ کا میدان عمل کوئی ہو آپ کا کسی سے کوئی رشتہ ہو آپ کسی راستے کے رہرو ہوں آپ کو بہر حال یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ معتبر ہیں۔ اگر آپ معتبر نہیں تو آپ کی کوئی حیثیت نہیں۔

کیا آپ ذمہ دار ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جنوری ۲۰۰۵، ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ)

اگر آپ ذمہ دار شخصیت نہیں ہیں تو پھر معتبر انسان بھی نہیں ہیں۔ معتبریت کے لئے خود میں احساس ذمہ داری کا ہونا ضروری ہے اس سلسلہ کو محدود کرتے ہوئے، رشتوں اور پیشوں کے لحاظ سے ذمہ داری کا احساس دلانا ضروری ہے تا کہ آپ ان نسبتوں کے لحاظ سے اپنا جائز لیں کہ آیا آپ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں یا نہیں!

اگر آپ باپ ہیں تو اولاد کی تعلیم و تربیت اور اس کے لئے رزق حلال مہیا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، اگر آپ ماں ہیں تو اولاد کی پرورش و پرداخت آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ اولاد ہیں تو والدین کی فرمانبرداری اور ان کی خدمت سے آپ کا منھ موڑنا روا نہیں ہے۔ آپ ایک شوہر ہیں تو ایک جلاد حاکم کا رول ادا کرنے سے آپ کو بچنا ہے بلکہ زوجہ کو احساس دلانا ہے کہ آپ اس کی پناہ گاہ ہیں، اگر آپ زوجہ ہیں تو شوہر سے وفاداری اور اس کی دل جوئی آپ کا شعار ہونا چاہئے۔ طرح طرح کے مطالبے اور بے جا نازونخرے گھر کا سکون برباد کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھائی یا بہن ہیں تو صلہ رحمی آپ کا وطیرۂ زندگی ہونا چاہئے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت چاہئے۔ اگر آپ کسی کے عزیز دار ہیں تو رابطوں

میں کمی نہ آنا چاہئے۔ چاہے وہ کم از کم سلام ودعا ہی کی حد تک ہو قطع رحمی کوتاہی عمر کا سبب ہے۔ اگر آپ کسی کے دوست ہیں تو باہمی سلوک عزیز داروں جیسا ہونا چاہئے۔ اسلام نے ہمسایہ کا پورا خیال رکھنے کی تاکید کی ہے۔ آپ کسی قریہ، کسی شہر، کسی ملک کے باسی ہیں تو وطن اہل وطن سے ایک مناسب انس ضروری ہے ورنہ آپ وطن میں رہ کر بھی اجنبی بن جائیں گے۔

اسی طرح ہر کام اور پیشے میں آپ کو ایک ذمہ دار شخصیت کی شبیہہ پیش کرنا ہے۔ آپ نے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی اور آپ کی شخصیت کا وقار مجروح ہوا۔ آپ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا اور پورا نہ کیا کسی کو ملنے کا وقت دیا اور اس سے نہ ملے، کسی کا کوئی کام اپنے ذمہ لیا اور اسے ڈال رکھا۔ تو آپ کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر آپ بچوں سے بھی کوئی وعدہ کریں تو اسے پورا کریں، یہ آپ کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور بچوں کے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ ایک اچھی عادت کا مشاہدہ کرتے کرتے ان کی بھی اچھی عادت پڑے گی۔ الغرض آپ کسی فیلڈ کے ہوں آپ کا میدان عمل کوئی بھی ہو اگر آپ میں احساس ذمہ داری نہیں ہے تو پھر آپ کی کوئی معقول شناخت بھی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا ذکر خیر ہونے کے بجائے آپ کی مذمت ہی ہوتی رہے گی۔

❀❀❀

کیا آپ باپ ہیں؟ (١)

(ماہنامہ اصلاح فروی مارچ ٢٠٠٥، محرم صفر ١٤٢٦ھ)

آپ صاحب اولاد ہیں خداوند عالم نے آپ کو اولاد کا باپ قرار دیا ہے یہ اس کا کرم ہے آپ کی خوش قسمتی ہے۔ لیکن اولاد کی خوش قسمتی یہ ہوگی کہ آپ اس کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ پر کریں ورنہ یہی اولاد دنیا میں نہ بھی سہی آخرت میں ضرور آپ کے لئے وبال بن جائے گی۔ لہٰذا آپ صاحب آل بنیں صاحب وبال نہیں۔ قرآن مجید نے اگر ایک طرف کہا ہے کہ:

المال والبنون زینة الحیاة الدنیا ......

مال و اولاد زندگانیٔ دنیا کی زینت ہیں (سورۂ کہف آیت ٤٦) تو یہ بھی تشریح فرمادی ہے کہ واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنة ... جان لو کہ یہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ذریعہ آزمائش ہیں (سورۂ انفال آیت ٢٨) اور یہ بھی آگاہی دے دی ہے کہ یوم لا ینفع مال ولا بنون (روز حشر) مال و اولاد کام آنے والی نہیں۔ (سورۂ شعراء آیت ٨٨)

کبھی آخری زمانہ کی آہٹ محسوس کی جاتی رہی ہوگی لیکن ذرا گردوپیش پر نظر ڈالئے حالات حاضرہ کا جائزہ لیجئے، آخری زمانہ آپ کے سروں پر ہے۔ اس

زمانہ کے سلسلے میں مقام تاسف میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

(ترجمہ) آخری زمانہ کی اولاد پر ان کے آباء کی وجہ سے تباہی ہے پوچھا گیا اے اللہ کے رسولؐ کیا مشرک آباء کی وجہ سے؟ فرمایا نہیں! بلکہ مومن آباء کی وجہ سے جو اپنی اولاد کو دینی فرائض کے سلسلہ میں کچھ بھی نہیں سکھائیں گے اور اگر ان کی اولاد کچھ سیکھنا بھی چاہیں گے تو وہ انہیں روک دیں گے وہ ان کے معمولی دنیاوی فوائد پر راضی ہوجائیں گے میں ایسے لوگوں سے بیزار ہوں اور وہ بھی مجھ سے لاتعلق ہیں۔ (مستدرک الوسائل جلد ۲ جامع الاخبار باب اولاد)

اگر آپ نے معاشرہ کو غیر تربیت یافتہ اور بے دین اولاد مہیا کی تو اس سے کہیں بہتر تھا کہ آپ صاحب اولاد نہ ہوتے اس کا تکلیف دہ زمانہ کی طرف اعداد و شمار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا:

(ترجمہ) جب میری امت پر ۱۱۸۰ سال گزر جائیں تو حلال ہوجائے گی تجرد (غیر شادی شدہ) زندگی گوشہ نشینی، اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رہبانیت (جیسا) طریقۂ زندگی، اس لئے کہ خلق خدا بارہ سو سال میں جنگ و جدال اور قتل و خونریزی میں مبتلا ہوجائیں گی۔ چنانچہ اس وقت انسان کے بچے کی پرورش سے کتے (تک) کے بچہ کو پالنا بہتر ہوگا، اور اگر عورت سانپ پیدا کرے تو (انسانی) بچہ پیدا کرنے سے بہتر ہوگا۔ (روح البیان صفحہ ۷۳)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) جلد ہی میری امت پر ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ اس زمانہ میں بغیر زوجہ کے زندگی بسر کرنا اور (گویا) رہبانیت اختیار کرنا جائز ہوگا۔ اس زمانہ

میں عورتیں اگر بچوں کے بدلے سانپ جنیں تو بہتر ہوگا۔

(عقود الجواہر صفحہ ۳۸۲)

اسلام میں شادی کرنے کی حوصلہ افزائی ہے، (سوائے شکاری کتوں کے) کتے پالنے کی اجازت نہیں، رہبانیت کی مذمت ہے، سانپ موذی جانور ہے، دراصل ان دونوں حدیثوں میں ان مثالوں کے ذریعہ آخری زمانہ کے بچوں کی حالت زار کی جانب پُرتاسف اشارہ ہے اور اس کے حقیقی ذمہ دار وہ ناعاقبت اندیش، دنیا پرست والدین ہیں جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناکحوا وتناسلوا (نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ) کو تو یاد رکھتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت اولاد کے جو سبق دیئے ہیں ان کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ ان کے مستقبل کے لئے تو بہت فکرمند رہتے ہیں جس کی مدت مختصر ہے اور ان کی اور اپنی عاقبت کو بھول جاتے ہیں جو دائمی ہے۔

اولاد کے سلسلہ میں اکثر ابتداء ہی غلط ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے (ترجمہ) باپ پر اولاد کے تین حقوق ہیں پہلا یہ کہ اس کا اچھا نام رکھے دوسرا یہ کہ اسے پڑھنا لکھنا سکھائے تیسرا یہ کہ اس کے لئے شریک زندگی تلاش کرے۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۴ صحہ ۹۲)

لوگ زیادہ تر تبرکاً مقدس ناموں پر نام رکھ لیتے ہیں لیکن پیار میں پکارتے ہیں الٹے سیدھے ناموں سے اور یہی نام گویا ان کے حقیقی نام ہو جاتے ہیں۔ امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) ”شیطان سے پرہیز کرو اور شدید پرہیز کرو، شیطان جب یہ

انہیں کو ہوسکتا ہے جن کی نگاہوں میں قربانیوں کی اہمیت ہے۔ ورنہ مسلمان اور کلمہ گوتو وہ بھی ہیں جو اسلام کی باتیں تو بڑے طمطراق سے کرتے ہیں لیکن نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کے اس ذبح عظیم کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس قربانی کی یادگار کو ناجائز گردانتے ہیں جس قربانی کے صدقے میں آج اسلام ہے، نماز ہے، قرآن ہے، مسجدیں ہیں اور ہم مسلمانوں کا جود ہے۔

❁❁❁

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یامَعشَرَ مَنْ اَسلَمَ بِلِسانِهِ وَلَمْ یُسلِمْ بقلبه، لا تتّبعوا عَثَراتِ المسلمینَ فانّه مَن تَتَّبعَ عثراتِ المسلمین تَتّبعَ الله عَثرتَهُ و مَنْ تَتَّبع الله عَثْرَتَه یَفْضَحُهُ«؛

(اصول کافی، ج2، ص355)

اے وہ لوگو جو زبان سے تو اسلام لائے ہو لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوئے ہو تم مسلمانوں کے عیوب ولغزشوں کی تلاش میں نہ رہو۔ اس لئے کہ جو بھی دوسروں کے عیوب ولغزشوں کی فکر میں رہتا ہے تو خدا بھی اس کے عیوب کی تلاش میں ہوتا ہے اور خدا جس کے عیوب کی تلاش میں وہ ذلیل ورسوا ہی ہوتا ہے۔

❁❁❁

سنتا ہے کہ کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیؑ کے نام سے پکارا جارہا ہے تو وہ سیسہ کی طرح پگھل جاتا ہے اور جب وہ یہ سنتا ہے کہ کسی کو ہمارے دشمنوں کے نام سے پکارا جارہا ہے تو پھر وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا"۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۷)

ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی ہم آپ کے اور آپ اجداد کے نام اپنے لئے منتخب کرتے ہیں اس کا کوئی فائدہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں: واللہ کیا دین اچھوں سے محبت اور بروں سے نفرت کے سوا بھی کچھ ہے؟

(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۸)

بچوں کو اوٹ پٹانگ نام پکار کر قیامت میں انہیں رسوا نہ کیجئے۔ رسول مقبولؐ کا حکم ہے:

"اچھا نام اختیار کرو قیامت کے دن تمہیں انہیں ناموں سے پکارا جائے گا"

(وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۳)

دوسرے مرحلہ میں اولاد کی تربیت و تعلیم ہے اولاد جتنی اچھی ہوگی دنیا و آخرت میں باپ کا نام روشن کرے گی صحیح تربیت کے بعد بھی وہ غلط نکل جائے تو یہ اولاد کی اپنی ذمہ داری ہے لیکن اگر تربیت میں کوتاہی ہے تو اس کے ذمہ دار براہ راست آپ ہیں۔

ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

(ترجمہ) "اپنے بچوں کی تربیت کرو کیونکہ تم سے ان کے بارے میں باز پرس کی جائے گی"۔ (وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵)

ایک طرف اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن تربیت کی تلقین کی ہے اور ایسا

کرنے والوں کی اس طرح تعریف کی ہے کہ:

(ترجمہ) اللہ کی رحمت ان والدین کے شامل رہے جو اولاد کی بہترین تربیت کریں جس کے سبب وہ اپنے والدین کے لئے اچھا رویہ اپنانے میں کمک حاصل کر سکیں''۔ (مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۲۵)

تو دوسری طرف ان والدین کی مذمت فرمائی ہے جو عاق کرنے کے حق کو استعمال کرنے کی دھمکی دیتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ کہیں وہ ان کی عدم تربیت کی وجہ سے تو اس نوبت کو نہیں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) ''اے علیؑ! خدا لعنت کرے ان والدین پر جو اپنی اولاد کو ایسی بری تربیت کریں کہ نوبت عاق تک پہنچے'' (مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

امیر المومنینؑ حضرت علیؑ نے کیا پر حکمت بات ارشاد فرمائی ہے:

(ترجمہ) جسے اچھی تربیت دی جائے گی وہ کم لڑکھڑائے گا لیکن جس کی تربیت میں کمی رہ جائے وہ زیادہ ٹھوکریں کھائے گا'' (غرر الحکم صفحہ ۴۵)

آپ نے اپنی اولاد کی اسلامی تربیت پر توجہ نہیں دی اور مال دنیا سے انہیں مالا مال کر دیا تو اصلاً آپ نے انہیں کنگال بنایا مالدار نہیں۔ امام حضرت صادقؑ نے آگاہ فرمایا ہے کہ:

(ترجمہ) اولاد کے لئے والدین کا بہترین ورثہ مال و دولت نہیں تربیت و تہذیب ہے مال فانی شئ ہے جبکہ ادب و تہذیب کو زوال نہیں۔

(روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۱۵۰)

کیا آپ باپ ہیں؟(۲)

(ماہنامہ اصلاح اپریل ۲۰۰۵ء، ربیع الاول ۱۴۲۶ھ)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ: تم اپنی اولاد کا احترام کرو! انہیں حسن ادب سے سنوارو! اللہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا (وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۵)

اولاد کی تربیت کے لئے گردو پیش کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ زمانے کے حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں۔ ہر دور کے تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اگر اولاد کی تربیت میں آپ نے فقط اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھا تو اولاد بہت پیچھے رہ جائے گی اور وہ اپنے ہمعصروں کے درمیان صحیح طور سے اپنے دین کو متعارف نہ کرا سکے گی۔ سائنس وٹکنالوجی روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اسلام کو نشانہ بنانے کے لئے ان چیزوں کا دشمن استعمال کر رہے ہیں۔ اگر ہماری جدید نسل ان چیزوں سے ناواقف رہے گی تو دشمن کی سازشوں کو ناکام کرنے میں یہ نسل ناکام رہے گی لہذا ضرورت ہے کہ جدید علوم سے جدید نسل کو آراستہ کیا جاتا رہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا پر حکمت ارشاد گرامی ہے:

(ترجمہ) اپنی اولاد کو زبردستی اپنے زمانے کے آداب ورسوم اختیار کرنے پر مجبور نہ کرو اس لئے کہ یہ تمہارے زمانہ کے لئے نہیں بلکہ (آئندہ) دوسرے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۷)

جدید علوم کی طرف اولاد کو راغب کرنا ضروری ہے اور ضرورت ہے لیکن دینی علوم کے سلسلہ میں اس کی جڑیں مضبوط بنانا پہلے ضروری ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ دین کے سلسلہ میں کسی کی بنیادیں مضبوط نہیں ہیں تو دوسروں کے علوم اور ان کی تہذیب کا شکار ہو کر وہ ایک دن دین کا باغی بن جاتا ہے۔ اور اپنی لاعلمی و جہالت اور غیر کے پروپیگنڈہ کے سبب وہ اپنے دین کی باتوں ہی پر اعتراض جڑنے لگتا ہے یا کم از کم وہ دوسروں کے سامنے اپنے دین کی غلط تشریح کرتا ہے جس کے سبب پاکیزہ دین اسلام دوسروں میں رسوا ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے کیا بہترین بات ارشاد فرمائی ہے:

(ترجمہ) جتنا جلدی ہو سکے اپنی اولاد کو احادیث اسلامی (دینی مسائل) سکھا دو اس سے پہلے کہ تمہارے مخالفین تم پر سبقت لے جائیں۔

(الکافی جلد ششم)

آپ نے دین کے سلسلہ میں ذرا سی سستی کی تو دشمنان دین آپ کی اولاد کو گھٹی میں اپنی گمراہ کن باتیں پلا دیں گے۔ نتیجہ میں ان کا نمائندہ آپ کے گھر میں پرورش پائے گا۔ لہذا اولاد کو ضروری دینی تعلیم سے مضبوط بنا دینا والدین کا اولین فریضہ ہے۔ اسی طرح اولاد کی بروقت عملی دینی تربیت بھی از حد ضروری ہے۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد گرامی ہے:

(ترجمہ) نوعمر بچے کا دل ایسی زمین کے مانند ہے جو بیج اور گھاس سے خالی ہے۔ اس میں جو بیج بویا جائے وہ اسے قبول کر کے اس کی تربیت کرتی ہے۔ (نہج البلاغہ امام حسنؑ کے نام وصیت)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) اپنے بچوں کو ۶ سال کی عمر میں نماز کے لئے آمادہ کرو اور اگر نصیحت اور ڈانٹ کا اثر نہ ہو تو سات سال کی عمر میں تم انہیں اس سلسلہ میں مار بھی سکتے ہو (مستدرک جلد ا صفحہ ۱۷۱)

یہ اجازت انتہائی حالات میں ہے ورنہ حتی الامکان مار پیٹ سے گریز کرنا چاہئے خود آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے: (ترجمہ) تعلیم و تربیت میں پیار و محبت سے کام لو اس لئے کہ دانشمند استاد سخت گیر استاد سے بہتر ہوتا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۷ صفحہ ۱۷۵)

امیر المومنینؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا: (ترجمہ) ہر وقت کی ڈانٹ پھٹکار اور لعنت ملامت سے بچّے کے سینے میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

(تحف العقول صفحہ ۸۴)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک شخص سے اس کی نافرمان اولاد کے سلسلہ میں فرمایا:

(ترجمہ) اسے مارو پیٹو نہیں۔ البتہ کچھ عرصہ کے لئے اس سے بات چیت کرنا چھوڑ دو مگر اس ناراضگی کو بھی زیادہ طول نہ دینا۔ (بحار الانوار جلد ۲۴ صفحہ ۱۱۲)

اولاد کی اصلاح سے پہلے خود کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کو ترجیح حاصل ہے۔آپ نے اپنے گھر کا ماحول تو غیر اسلامی بنا رکھا ہے۔واجبات پر عمل نہیں کرتے حرام سے بچتے نہیں تو اولاد کی صحیح تربیت کیسے کر سکتے ہیں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) جب کوئی شخص خود صالح ہو جاتا ہے تو اس کے نیک ہو جانے کے وسیلہ سے خداوند عالم اس کی اولاد کو بھی نیک بنا دیتا ہے۔

(مکارم الاخلاق صفحہ ۵۴۶)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: (ترجمہ) والدین کی نیکی اور شائستگی ہی وہ لیاقت ہے جو اولاد کو برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۸)

بچے کی ابتدائی زندگی میں کھیل کود بہت ضروری ہے اور اس کی نشوونما کے لئے ایک ورزش ہے اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے۔روایت ہے کہ پیغمبرؐ اسلام اپنے اصحاب کے ساتھ ایسے بچوں کے پاس سے گذرے جو مٹی میں کھیل رہے تھے بعض اصحاب نے انہیں کھیلنے سے منع کیا تو آپ نے فرمایا:

(ترجمہ) انہیں کھیلنے دو مٹی بچوں کی چراگاہ ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۱۵۹)

لیکن اس کھیل کود کی ایک حد ہے۔امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) سات سال تک بچے کو کھیلنے کی اجازت دو اور سات سال سے آداب زندگی سکھاؤ۔ (بحار جلد ۱۰۴ صفحہ ۹۵)

جوانی میں بھی چاق وچو بند رہنے کے لئے کھیل کود (کرکٹ وغیرہ) ورزش ہے مگر ۲۴ گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کھیلنا چاہئے کھیل کود ہی میں پڑا رہنا اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ آج کل کرکٹ ایک عالمی وبا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ کھیلنے والوں کو تو پھر کچھ فائدہ ہوتا ہے لیکن دن دن بھر ٹی وی سے چپکے رہنے والوں کو لطف تو بہت حاصل ہوتا ہے مگر واقعی فائدہ انہیں نہیں ملتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کا دوٹوک فیصلہ ہے:

(ترجمہ) جو کھیل کا رسیا ہو گا وہ کامیاب نہ ہو سکے گا (غرر الحکم صفحہ ۸۵۴)

تعلیمی سرگرمیوں کو ہر حال میں ترجیح حاصل ہے ۔ نوجوانوں کو ساتھ میں اپنے جسم کو محنت کا عادی بنانا چاہئے روایت ہے کہ کسی تندرست آدمی کو دیکھ کر پیغمبر اسلامؐ پوچھتے تھے یہ کوئی کام کاج بھی کرتا ہے؟ اگر جواب ملتا ہاں ! تو آپ خوش ہو جاتے نہیں میں جواب ملتا تو آپ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۱ صفحہ ۹)

امیر المومنینؑ نے کیا فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی ہے کہ: (ترجمہ) سست و کاہل افراد اپنے حقوق ضائع ہونے سے نہیں بچا سکتے۔

(مجموعۂ ورّام جلد ا صفحہ ۵۹)

نبیٔ خدا حضرت موسیٰؑ نے بارگاہ معبود میں عرض کی پالنے والے اپنے بندوں میں سے تو کسے زیادہ ناپسند فرماتا ہے؟ ارشاد ہوا: (ترجمہ) جو رات کو مردار کی طرح پڑا رہے اور دن بیکاری میں گزار دے۔

(سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ٦۲۴)

دراصل محنت ومشقت اور سعی وکوشش شاندار مستقبل کی ضمانت ہے۔آپ کواگر اپنی اولاد سے محبت ہے تو اسے اس نعمت سے محروم نہ رہنے دیں ورنہ بیجا نازبرداری اسے کہیں کا نہ رکھے گی۔

مولائے متقیان امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) جو شخص پوری طرح کام نہیں کرتا وہ غم واندوہ میں مبتلا رہتا ہے (نہج البلاغہ شرح صبحی صالح صفحہ ۹۹۱)

کام کاج جائز حدود میں اپنی پسند اور مزاج کے مطابق ہونا چاہئے اور کام میں لاابالی پن نہ ہو آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) خدا مہربان رہے اس شخص پر جس کے کئے ہوئے کاموں سے حسن مہارت کا اظہار ہو۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۳، کتاب التجارۃ)

کیا آپ باپ ہیں؟ (۳)

(ماہنامہ اصلاح مئی ۲۰۰۵ء، ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ)

صاحب اولاد ہونا یہ اللہ کی عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت بھی ہے اور ایک عظیم ذمہ داری بھی مروی ہیکہ:

(ترجمہ) اگر کوئی شخص لاولد مرجائے تو ایسا ہے کہ جیسے وہ پیدا ہی نہ ہوا ہو اور اگر اولاد چھوڑ کر مرے تو ایسا ہے جیسے وہ مرا ہی نہ ہو"

(تلخیص حلیۃ المتقین محدث قمیؒ)

تربیت یافتہ اچھی اولاد ہی سے والدین کا نام زندہ رہتا ہے۔ لیکن اولاد اچھی ہو یہ آپ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ مروی ہے کہ: (ترجمہ) لڑکیاں تو نیکیاں ہیں اور لڑکے نعمات، اللہ نیکیوں کا تو اجر عطا فرماتا ہے اور نعمات کے بارے میں بازپرس فرماتا ہے (حوالۂ بالا)

اجر بھی اللہ اس وقت دے گا جب آپ نے لڑکیوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا ہو اور انہیں ایسا بننے کی چھوٹ نہ دی ہو کہ لوگ انگلیاں اٹھائیں۔ اسی طرح لڑکوں کے سلسلہ میں تربیت کی کمی سے آپ سے سخت مواخذہ ہوگا۔ پیغمبر آخر الزماںؐ کا ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) جس طرح تمہارا باپ تم پر حق

رکھتا ہے، اسی طرح تمہاری اولاد بھی تم پر حق رکھتی ہے''

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۱۴۶)

امیر المومنینؑ حضرت علیؑ نے کیا فکری تنبیہ فرمائی ہے:

(ترجمہ) ''کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے تمہارا خاندان اور تمہارے اقربا بد بخت ترین لوگوں میں سے ہو جائیں'' (غرر الحکم صفحہ ۸۰۲)

جب آپ کی اولاد بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو اس سے شکوہ بعد میں کیجئے پہلے یہ سوچئے کہ اس کی تربیت میں آپ سے کہاں کہاں کوتاہیاں ہوئیں ہیں؟ اولاد کی تربیت میں نفسیات کا بڑا دخل ہے۔ اکثر انسان اپنے لحاظ سے تربیت میں تو کوتاہی نہیں کرتا۔ لیکن نفسیات و فطرت کو نگاہ میں نہیں رکھتا اور نتائج مثبت کے بجائے منفی بر آمد ہوتے ہیں اولاد سے نہ حد سے زیادہ سختی روا ہے اور نہ اس سے حد سے زیادہ محبت درست ہے۔ اکثر سخت مزاج والدین اولاد جس عمر کی بھی ہو جائے اسے اپنی رائے کا اسیر رکھنا چاہتے ہیں اور اولاد کو باغی بنا دیتے ہیں اور اکثر مغلوب الحبت والدین اولاد کی ہر جا و بیجا خواہش کے آگے سپر انداختہ ہو جاتے ہیں، افراط وتفریط سے ہٹ کر میانہ روی ہر گھر اور ہر معاشرہ کی جان ہے۔ دین نے نفسیات کو کتنی اہمیت دی ہے وہ اس حدیث پیغمبرؐ سے ظاہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

(ترجمہ) بچہ سات سال کی عمر تک بادشاہ ہے اور سات سال کی عمر سے لیکر چودہ سال کی عمر تک غلام ہے اور چودہ سال کی عمر سے لیکر ۲۱ سال کی عمر تک وزیر و مشیر ہے'' (وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۵)

آپ کون ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، ربیع الاول ۱۴۲۲ھ، جون ۲۰۰۱ء)

اسلام میں عقیدۂ معاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قیامت کا عقیدہ، آخرت کا عقیدہ، دیگر عقائد مع عقیدۂ توحید کے تشکیل آخرت کے لازمی اجزاء ہیں دنیا میں عقائد و اعمال کی صحت، نجات آخرت کی ضمانت ہے۔

"الدنیا مزرعة الآخرة"، دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ لہٰذا مقصود نہ ہوتے ہوئے بھی دنیا ہمارا میدان عمل ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کے تحت ہمارا کام صرف اصلاح ذات تک محدود نہیں یہ اور بات ہے کہ اسے ترجیح و اولیت حاصل ہے۔ ورنہ گمراہ دوسروں کی رہبری کیا کرے گا؟ البتہ ہمارے کاندھوں پر اصلاح معاشرہ کی سنگین ذمہ داریاں بھی ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنی معاشرتی زندگی کا جائزہ لیتے رہنا ہوگا۔ اس کے لئے ہمہ وقت اپنے ذہن کو بیدار رکھنا ہوگا۔ ہمارے قابل صد افتخار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"إِنَّمَا يُدْرَكُ الْخَيْرُ كُلُّهُ بِالْعَقْلِ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَقْلَ لَهُ"۔

(تحف العقول صفحہ ۸۵؛ بحار الانوار: 160/74)

"تمام نیکیوں کو عقل کی مدد سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور جس کے پاس عقل

کم عمری کا تقاضہ ہے کہ اس کی باتیں مانی جائیں تا کہ اس کی نشوونما پر منفی اثرات نہ پڑنے پائیں۔ سات سال تک اسے بادشاہ کا درجہ دیا جائے اور اس عمر میں اس کی باتوں کو اس طرح تسلیم کیا جائے جیسے رعایا بادشاہ کے احکام مانتی ہے۔ نفسیاتی بات ہے کہ ایسا کرنے سے اس میں اپنائیت کا جذبہ مضبوط ہوگا ورنہ وہ لا شعوری طور پر والدین کا شمار اغیار میں کرنے لگے گا جب یہ جذبہ مضبوط ہو جائے تو سات سے چودہ سال کی عمر تک اس سے اپنی جائز باتیں اس طرح منوانا چاہئیں کہ جس طرح آقا غلام سے باتیں منواتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آئندہ اس میں بغاوت پیدا ہو جائے گی جو گزرتے ہوئے دنوں کے ساتھ مضبوط ہوتی رہے گی۔

امام یازدہم امام حسن عسکریؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''بچپن میں کسی بچے کی والدین کے حکم کے خلاف جسارت اور بے اعتنائی بڑا ہو کر اس کے نافرمان اور سرکش ہو جانے کا سبب ہوتی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۸ صفحہ ۳۷۴)

لہذا یہ عمر تربیت کا خاص زمانہ ہے زیادہ لاڈ پیار اولاد کو بگاڑ سکتا ہے۔

چودہ سال کی عمر کے بعد رشد و بلوغ کا زمانہ ہے۔ بچے کی عقل پختہ ہونے لگتی ہے اس زمانہ میں اس سے فقط اپنی باتیں منواتے رہنا مناسب نہیں بلکہ یہ اس کے ذہن رسا پر پہرے بٹھانے جیسا عمل ہوگا لہذا چودہ سے اکیس سال تک اسے وزیر و مشیر کا درجہ دینا چاہئے۔ اس سے بچے میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور اس میں معاملات کو سمجھنے کا درک پیدا ہوگا۔ ضروری نہیں کہ اس کی ہر بات مان ہی لی جائے لیکن یہ بھی مناسب نہ ہوگا کہ اس کی ہر بات رد کر دی جائے۔ لیکن اس عمر

میں اس سے مشورہ لینا چاہئے اور اس کی باتوں کو توجہ سے سننا چاہئے۔ ۲۱ سال کی عمر کے بعد وہ خود مستقل رائے رکھنے والا مضبوط جوان ہے لہذا حدیث میں اس مدت کے بعد کا تذکرہ نہیں اب اس کے بعد کی عمر جو مستقل تعلیمات اسلامی ہیں ان کے زمرہ میں آئے گی ان تعلیمات میں امور میں مشورہ لینا بھی شامل ہے۔ لہذا کسی عمر میں بھی یہ خیال نہ آنے پائے کہ جو ہم نے سوچ لیا جو فیصلہ کر لیا وہی صائب وحق ہے۔ انسان مشورہ کا محتاج ہر دور میں ہے۔ ورنہ اس کے اندر خود رائی پیدا ہو جائے گی جو مہلک نفسانی بیماری ہے۔

اولاد کو ناکارہ و برباد کرنے کا ایک اہم عنصر اس سے حد سے زیادہ محبت کا مظاہرہ ہے اسی نامناسب محبت کے ہاتھوں کبھی کبھی انسان اپنی دنیا و آخرت بھی برباد کر لیتا ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''بدترین باپ وہ ہے جو اولاد سے ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کرے اور بدترین فرزند وہ ہیں، جو اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی وسستی کے سبب باپ کو ناراض کر دیتے ہیں'' (تاریخ یعقوبی جلد ۳ صفحہ ۶۵۳)

اولاد سے شدت محبت بری چیز نہیں بلکہ لائق تحسین ہے۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) انسان کو جو اپنی اولاد سے شدید محبت ہوتی ہے اس کے سبب اللہ اپنی رحمت کو اس کے شامل حال قرار دے گا (وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۸)

اصل مسئلہ محبت میں غیر عادلانہ روش ہے کہ آپ شدت محبت میں اولاد کی

کوتاہیوں کو بھی نظر انداز کردیں اور ان کے لئے جائز و ناجائز کے فرق کو بھی نظر میں نہ لائیں ۔ دیگر نقصانات کے ساتھ جو دنیا و آخرت پر محیط ہیں خود اولاد کے لئے ایک نقصان دہ بات یہ ہوتی ہے کہ وہ نازک مزاج اور ناز و نخرے کی عادی ہو جاتی ہے۔ جب سماجی زندگی میں اس کا سابقہ دوسروں سے پڑتا ہے تو بھلا کوئی دوسرا اس کی ناز برداری کیوں کرنے لگا جب اسے عادت کے برخلاف حالات کا سامنا ہوتا ہے تو اسے قدم قدم پر ٹھیس پہنچتی ہے اور وہ عملاً سماج سے کٹ کر رہ جاتی ہے۔

لہذا حقیقی محبت یہ ہے کہ آپ اولاد کو دنیا کے سرد و گرم سے مقابلہ کرنے کا عادی بنائیں اور اسکے ذہن سے یہ ضروری سبق محو نہ ہونے دیں کہ اس کا دنیاوی وجود عارضی ہے۔ آخرت کی زندگی دائمی ہے جسے بہر حال برباد نہ ہونا چاہئے۔

❁❁❁

کیا آپ ماں ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جون ۲۰۰۵ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ)

اگر آپ ماں ہیں تو خوش بختی کا خزینہ آپ کے ہاتھ آگیا ہے ارشاد ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

(ترجمہ) جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۳۸)

لیکن ہوشیار رہئے کہ کہیں آپ خود جنت سے محروم نہ رہ جائیں اس لئے کہ آپ کے شکم میں جو وجود ہے۔ اس کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) خوش نصیب وہ ہے جس کی خوش بختی کی بنیاد ماں کے پیٹ میں پڑی ہو اور بد بخت وہ ہے جس کی بدبختی کا آغاز شکم مادر سے ہوا ہو۔

(بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۱۵۔ ۱۳۳)

ماں کے عادات واطوار بالخصوص ماں کی غذا کا اثر براہ راست جنین پر پڑتا ہے بعد میں اولاد کسی اور سبب سے بہک جائے تو اس کی اپنی ذمہ داری ہے لیکن کم از کم آپ تو اس میں حصہ دار نہ بنیں اور کسی بھی مرحلہ پر احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں جنین پر ماں باپ دونوں کی غذاؤں کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کے ساتھ راستہ سے گزر رہے تھے کہ بچے کھیل رہے تھے سب نے سلام کیا ان میں سے ایک شوخ لڑکے نے

بھی سلام کیا لیکن انداز مذاق اڑانے کا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب سلام میں فرمایا: وعليك السلام يا ولد الحرام اے حرام مولود تجھ پر بھی سلام ہو۔ یہ اطلاع اس لڑکے کے باپ کو ہوئی تڑپ گیا خدمت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی آپ کی کہی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی آپ اتنی وضاحت فرما دیں اس میں میری کیا غلطی ہے یا میری بیوی کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس رات اس کا نطفہ ٹھہرا تمہاری غذا حرام کمائی کی تھی۔

دیکھا آپ نے حرام غذا نے بچے کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا دیا۔

علامہ مجلسیؒ بیٹے کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گئے وہاں ایک بھشتی اپنا بھرا ہوا مشکیزہ رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ علامہ مجلسیؒ تو نماز پڑھنے لگے ان کے بچے نے اس درمیان ایک سوجے سے مشکیزہ میں سوراخ کر دیا پانی بہہ گیا۔ علامہ مجلسیؒ رنجیدہ ہوئے بھشتی کے نقصان کو پورا کیا گھر آ کر بیوی سے کہا یہ ہم دونوں میں سے کسی کا اثر ہے جو اس بچے نے آج یہ غلط حرکت کی ہے زوجہ نے اقرار کیا کہ زمانہ حمل میں اس نے بغیر اجازت پڑوسی کے انار کے درخت میں سے ایک انار میں سوئی چبھو کر چکھا تھا کہ انار ترش ہے یا شیریں۔ یہ ہوتا ہے غذا کا اثر۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: (ترجمہ) جس شخص کے شکم میں مال حرام کا ایک لقمہ بھی چلا جاتا ہے اور بدن کا جز بن جاتا ہے تو آسمان و زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۲۴۵)

حدیث دیگر: (ترجمہ) مال حرام کھانے سے جس گوشت نے نشو و نما پائی ہو وہ دوزخ کی آگ میں جلنے کا زیادہ مستحق ہے اور ایک لقمہ بھی کچھ نہ کچھ گوشت

کی نشوونما کر دیتا ہے۔ (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۲۴۵)

معمولی باتوں کے اتنے سنگین اثرات ہوتے ہیں تو آپ کی غذا سے لیکر آپ کے عادات واطوار تک اگر غلط اور غیر اسلامی ہیں تو آپ کی اولاد کب صالح رہ سکتی ہے!؟

فطری چیز ہے کہ لڑکے باپ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور لڑکیاں ماں سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں آج کی مائیں اپنی لڑکیوں کو ماڈرن بنانے میں اپنی زیادہ کامیابی سمجھتی ہیں اور ان بے چاریوں کے مستقبل اور آخرت دونوں کو زہر آلود کرتی ہیں بچپنے کے سادے ورق پر جو نقش ہو جاتا ہے وہ جلد مٹتا نہیں اور اپنے اچھے یا برے اثرات ہمیشہ دکھاتا رہتا ہے۔

ایک ضعیفہ عورت شدت مرض سے کوما میں چلی گئی کچھ افاقہ ہوا تو لاشعوری طور پر البانوی گیت کے بول اس کی زبان پر جاری ہو گئے سب کو تعجب کہ اس علاقہ میں البانی زبان کوئی جانتا نہیں یہ کبھی البانیہ گئی نہیں پھر اس کے ذہن میں البانوی گیت کہاں سے بسا ہوا ہے۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ کچھ دنوں کے لئے اس کے علاقہ میں البانوی فوج نے اس وقت ڈیرا ڈالا تھا جب وہ بالکل کمسن تھی بستی کے گلی کوچوں میں پھرنے والے البانوی فوجی کبھی کبھی اپنی زبان میں گیت بھی گاتے تھے جو اس کے لاشعور میں محفوظ رہے۔

دین اسلام کی حکمت عملی پر توجہ کیجئے کہ اس کی تعلیم ہے جب جنین پانچویں مہینہ میں داخل ہو تو عورت کو شکم پر ہاتھ پھیر کر اذان واقامت کہتے رہنا چاہئے۔ یا جب بچہ پیدا ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں

اقامت تاکہ بچے کے لاشعور میں توحید ورسالت وولایت کا سبق محفوظ رہے۔ یاد رہے کہ جنین جب چار مہینہ کا ہوجاتا ہے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اب جو خواتین حالت حمل میں گانے بجانے سے دل بہلاتی رہتی ہیں یا اپنے کمسن بچوں کے ساتھ ٹی وی اور کمپیوٹر پر ناجائز تفریحات میں مصروف رہتی ہیں وہ ان بچوں کے ذہنوں میں کیا گھول رہی ہیں اس کا انہیں اندازہ نہیں ۔ یا اندازہ تو ہے مگر اس کی پروا نہیں۔ ایسی صورت حال میں یہ نسل بڑی ہوکر نہ دین کی حقیقی وفادار ہوگی اور نہ اس کے اندر جذبۂ ایمانی صحیح طور سے انگڑائی لے گا۔

اکثر آزاد طبیعت لوگوں کا یہ دعویٰ رہتا ہے کہ ہم جو کریں یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے دوسروں سے کیا مطلب ؟ گویا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کے قائل نہیں اور جو ضروریات دین کو نہ مانے وہ مسلمان ہی کب ہے؟ پھر بھی اس غیر منطقی منطق سے قطع نظر دو باتیں قابل غور ہیں اگر اسی نہج پر ہر فرد قوم سوچنے لگے تو کیا پورے معاشرہ کا گراف گر نہیں جائے گا؟ دوسری بات یہ کہ آپ تو جو ہیں وہ ہیں لیکن آپ تو اگلی نسل کو بھی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں گویا آپ نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بالخصوص خواتین کو اپنی اولاد اور اولاد میں لڑکیوں کے تعلق سے سوچنا چاہئے کہ وہ آپ سے کیا سبق لیں گی لڑکی آپ کی غلط روش میں کمی نہیں اضافہ ہی کرے گی۔ وہ جب آپ کو گھر میں ناکافی لباس میں دیکھے گی تو یہی وہ باہر کرے گی۔ آپ میں اتنا شعور نہ رہ گیا ہو کہ گھر میں باپ بھائی کے سامنے سر و سینہ پر دوپٹہ ڈالے رہیں باہوں اور جسم کے دیگر حصوں کو کھلا نہ رکھیں تو لڑکی بے غیرتی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے نامحرموں کے درمیان اسی انداز سے گھومے گی۔اس لئے کہ اس نے بچپن سے یہی سبق ہی حاصل کیا ہے۔

قانون اسلام ہے کہ نیکی یا برائی کا جو سبب ہوتا ہے جزا وسزا میں اس کا پورا حصہ ہوتا ہے۔آپ نے اپنی روش سے اپنی لڑکی کو غلط راستے پر ڈالا آپ بھی مجرمہ بنیں۔اسی طرح لڑکی کی عریانیت سے کچھ مرد بھکے تو ہر گنہ گار ہونے والے مرد کے گناہ میں یہ لڑکی یا اس جیسی لڑکیاں اور خواتین شریک مانی جائیں گی اور روز انصاف یہ سزا سے بچ نہ سکیں گی۔لاڈ پیار کرنے کے لئے آپ صرف ایک ماں ہی نہیں ہیں بلکہ آئندہ نسل کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا یہ بھی ہاتھ میں ہے کہ آپ اس کی بری تربیت کر کے دوزخ کا ایندھن بنیں یا اچھی تربیت کر کے جنتی خاتون بنیں۔

❁❁❁

کیاآپ شوہرہیں؟(۱)

(ماہنامہ اصلاح جولائی ۲۰۰۵ء، جمادی الآخریٰ ۱۴۲۶ھ)

آپ کو شوہر ہونا مبارک ہو لیکن اگر آپ نے بیوی کا انتخاب قرآن و شریعت اور ہدایات معصومینؑ کو نگاہ میں رکھ کر کیا ہے تو یقینا آپ چین وسکون کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور دنیا میں سکون سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوا کرتی ہے ہاں اگر بیوی کے انتخاب کے وقت آپ کا نفس غالب رہا ہوگا، سماجی بندھنوں سے آپ آزاد نہ ہو سکے ہونگے مصنوعی قدروں میں الجھے رہے ہوں گے تو قوی امید ہے کہ آپ شدید ذہنی دباؤ (DEPRATION) کا شکار ہوں گے، اس سلسلہ میں آپ اب کسی اور کو کھری کھوٹی نہ سنایئے خود پر لعنت ملامت کیجئے، حضرت خاتم الانبیاءؐ کا ارشاد گرامی ہے:

(ترجمہ) جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو خداوند عالم اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے (اور اس کی نصرت نہیں فرماتا) اور جو شخص کسی عورت سے (صرف) اس کے حسن کی وجہ سے شادی کرے گا تو وہ اس عورت میں قابل نفرت چیزوں کا مشاہدہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کی دینداری کی وجہ سے شادی کرے گا تو خداوند عالم اس کے لئے اس

(عورت) میں تمام بہترین معیار فراہم فرما دیگا (وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۰)

آنحضرتؐ کا امت سے پر زور مطالبہ تھا کہ:

(ترجمہ) تم پر ضروری ہے کہ دیندار عورت سے شادی کرو۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۰)

اس رعایت کے باوجود اگر آپ اپنی خانگی زندگی میں کچھ خرابیاں دیکھ رہے ہوں تو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرف سے آپ دین سے انحراف ضرور دیکھیں گے یہی سبب ہوگا سکون کی بربادی کا جب کہ قدرت نے انسان کا جوڑا بنایا ہے ان کے سکون کیلیۓ، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

(ترجمہ) اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا تا کہ تم کو اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت و رحمت قرار دی ہے اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ روم پارہ ۲۱ آیت ۲۱)

ایمان و عمل دعوت محبت دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس میں نفرتیں جنم لیتی ہیں، معبود کا ارشاد ہے: (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے تو عنقریب رحمٰن دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دے گا۔ (سورۂ مریم آیت ۹۶)

اس روشنی میں امام علی رضا علیہ السلام کے اس ارشاد پر نظر ڈالیں:

(ترجمہ) بعض عورتیں اپنے شوہروں کے لئے بہترین نعمت ہیں یعنی ایسی عورتیں جو اپنے شوہروں سے محبت و عشق کا اظہار کریں۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۳۲)

گھر کو نمونۂ جنت بنانے کے لئے آپ کو صرف زبانی جمع خرچ سے کام

نہیں اس کا کوئی دین نہیں‘‘۔

عقل ہے کیا؟ (ما عبد به الرحمان و اکتسب به الجنان) جس کی مدد سے رحمن کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جائے۔ کیا ان معنی میں عقل کا استعمال ہوتا ہے؟ ہم اس عقل کا استعمال خال خال ہی دیکھ رہے ہیں جو افکار امیر المومنینؑ کے زیر سایہ پنپ رہی ہو۔ بلکہ اس عقل کا استعمال عام ہے جس پر امیر شام کی کج فکری کی چھاپ ہے۔

عقل کا استعمال اس امر میں نہیں ہے کہ ہمارا دین کس طرح سے صحیح طور سے دنیا میں متعارف ہو جب کہ دنیا کے مسائل کا حل حقیقتاً اسی کے پاس ہے بلکہ اعمال و کردار کی کمی نے الٹا اس مذہب کو بھی بدنام کرنے کا بیڑہ اٹھالیا ہے۔ عقل کا استعمال ہے تو اس ضمن میں کہ ہم کیسے توجہ کا مرکز بن جائیں کس طرح ہمیں دنیا جاننے لگے کس طرح ہم دوسروں پر برتری حاصل کریں۔ کس طرح ہم ترقی کرتے ہوؤں کی ٹانگ کھینچ لیں۔ اور کس طرح ہم چھلانگ لگا کر ثریا کی بلندی پر پہنچ جائیں۔ یعنی عقل کا استعمال دوسروں کو نقصان پہنچانے اور خود کو یا اپنے والوں کو بے جا فائدہ پہنچانے میں ہوتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ رحمان کی عبادت کی بالکل کوشش نہیں یا جنت حاصل کرنے کا ولولہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ جو چاہے کرتے رہو جتنی برائیاں ممکن ہوں ان میں ملوث ہو جاؤ بس نماز ضرور پڑھتے رہو اللہ کی عبادت ضرور کرتے رہو۔ جب کہ اصلاً نماز برائیوں سے بچانے والی ہے لیکن ہوتا کیا ہے یہ نماز منافقوں کی سی ہوتی ہے کہ بد دلی سے ٹکریں ضرور مار لینا ہے

نہیں چلانا ہے بلکہ ایسا رویہ اپنانا ہے کہ زوجہ کی محبت حاصل کریں اور اسے اپنی پر خلوص محبت دیں دور حاضر کے مصائب میں سے ایک یہ بھی مصیبت ہے کہ خلوص تو برطرف، ہر جگہ سودے بازی ہو رہی ہے اور یہ میاں بیوی کا رشتہ بھی چالاکیوں اور سودے بازیوں سے خالی نہیں۔ نتیجہ میں خانگی انتشار عیاں ہے جو علیحدگی اور طلاق تک بھی پہنچا دیتا ہے۔

زوجہ کی محبت حاصل کرنے کے لئے آپ اس کی جائز ضروریات زندگی کا پورا خیال رکھیں، ظالم شوہر نہیں بلکہ مہربان شوہر کا کردار ادا کریں۔ گھریلو امور میں اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار نہ پڑنے دیں بلکہ خانگی کاموں میں اس کا پورا ہاتھ بٹائیں، یہ آپ کی مردانگی کے خلاف نہیں بلکہ مردانگی کے عین مطابق ہے، شریعت نے عورت پر جو پابندیاں لگائی ہیں اس سے بہتر انداز سے اسے آگاہ کریں اور اس میں شارع مقدس کی جو حکمت عملی ہے وہ اس کے ذہن میں بٹھائیں اس پر عمل نہ کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی جانب روزمرہ کی زندہ مثالوں سے اسے متوجہ کریں اور شریعت نے عورت کو جو رعایتیں دی ہیں دلجوئی کے لئے انہیں بھی پیش کرتے رہیں۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) مرد پر یہ واجب ہے کہ اپنی بیوی کی غذا اور لباس کا انتظام کرے اور اس کے سامنے بری وضع قطع سے نہ جائے اگر اس نے اس پر عمل کیا تو گویا اس نے بیوی کا حق ادا کیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۵۴)

امام علی ابن موسی الرضاؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) بنی اسرائیل کی خواتین اپنی عصمت وعفت اس لئے گنوا بیٹھی تھیں کہ ان کے مردوں کا رہن سہن اچھا نہیں تھا اور وہ اپنی خوبصورتی کا لحاظ نہیں

رکھتے تھے۔ جس بات کی توقع تم اپنی بیویوں سے کرتے ہو ویسی ہی توقع وہ تم سے کرتی ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۷۶ صفحہ ۱۰۲)

آپ بیوی کی توقع پر پورے اتریں اور کوشش کریں کہ وہ آپ کی توقع پر پوری اترے اور اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) مردوں کو عورتیں بطور امانت سونپی گئی ہیں وہ اپنے نفع و نقصان کی مالک نہیں ہیں، وہ تمہارے پاس خدا کی امانت ہیں انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اور ان پر سختی نہ کرو۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۵۱)

دور حاضر میں دولت کی چاہ نے خانگی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ میاں بیوی دونوں آفس میں، کھانا پکانا یا کوئی اور چیز تیار کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں، بیوی کی طرف سے شوہر کے لئے چاہ میں کچھ تیار کرنا اور بیوی کی محنت کو دیکھ کر اس کا ہاتھ بٹانا یہ سب گئی گذری باتیں ہو چکی ہیں اور گویا باہمی محبت بڑھانے کے یہ طریقے نذر طلب مال ہو چکے ہیں، حالانکہ صدر اسلام میں ایسا نہیں تھا، بالخصوص محمدؐ و آل محمد علیہم السلام امور خانہ داری میں اپنی بیویوں کی مدد کرتے تھے، خانگی کام میں حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہؑ کی مدد کرتے دیکھ کر پیغمبرؐ اسلام نے ان کو دعا دی، خود آنحضرتؐ کے سلسلہ میں ان کی زوجہ حضرت عائشہ کا بیان ہے:

(ترجمہ) جب رسولؐ خدا کو فرصت ہوتی تو اپنا لباس خود سی لیتے، اپنے پاپوش کو درست کرتے اور دوسرے عام مردوں کی طرح گھر کے کام انجام دیتے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰۶ صفحہ ۲۳۰)

یہ طریقۂ کار یقیناً گھر کے امن و سکون کا ضامن ہے۔ آپ نے بارہا یہ بھی

مشاہدہ کیا ہوگا کہ اکثر بدگمانیاں قہر ڈھاتی ہیں اور سکون ختم کردیتی ہیں بالخصوص زن وشو کے معاملات میں یہ بہت ہوتا ہے۔ لہٰذا بدگمانی سے بچنا چاہئے۔ ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچو! اسلئے کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔ (سورۂ حجرات پارہ ۲۶ آیت ۱۲)

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی ہے:

(ترجمہ) جو شخص کسی مومن مرد یا عورت پر تہمت دھرے گا خداوند عالم بروز حشر اسے دوزخ میں ڈال دے گا تاکہ وہ اپنے اعمال کی سزا پائے۔

(بحارالانوار جلد ۷۵ صفحہ ۱۹۴)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ عورت یا مرد کی ایسی سرگرمیاں نہ ہوں کہ جو شک وشبہ میں مبتلا کردیں۔ امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) اگر کوئی شخص خود کو مشکوک حالت سے دوچار کرلیتا ہے تو اس پر شک وشبہ کرنے والوں کو ملامت نہ کرنا چاہئے۔ (بحارالانوار جلد ۷۴ صفحہ ۱۸۷)

بہتری باہمی احترام اور تال میل سے ہوسکتی ہے۔ آپ شوہر ہیں تو آپ کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں کہ حکمت عملی سے اپنی یا اپنے ہمسر کی خامیاں دور کرنے کی کوشش کریں۔ غیر معصوموں سے غلطیاں ہوتی ہیں، معمولی غلطیوں کو نظر انداز کیجئے، قابل اصلاح غلطیوں کی اصلاح کیجئے شاید کہ برا اچھا ہوجائے۔ زوجہ اگر بری ہو اور برائی پر جمی رہے تو گھر جہنم بن جاتا ہے:

پیغمبر اسلامؐ کا یہ ارشاد قابل توجہ ہے: (ترجمہ) خدایا میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں ایسی بیوی کے سلسلہ میں جو بوڑھا ہونے سے پہلے بوڑھا بنادے۔

(کافی جلد ۵ صفحہ ۳۲۶)

حُب امیر المومنینؑ وہ نسخۂ کیمیا اثر ہے جو برائیوں کو دور کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ شائد اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ (ترجمہ) علیؑ کی محبت عورتوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دو۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد ۳ صفحہ ۴۴۲)

چونکہ ''تریاہٹ'' مشہور ہے اور بعض عورتیں ''ضد'' میں اپنا نا مناسب رویہ نہیں بدلتیں لہذا بحالت مجبوری اصلاح فساد کیلئے مناسب سختی کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

کیا آپ شوہر ہیں؟ (۲)

(ماہنامہ اصلاح اگست ۲۰۰۵ء، رجب المرجب ۱۴۲۶ھ)

آزاد خیال طبقہ اپنی بیویوں پر ذاتی معاملات میں تو سختیاں برتتا ہے اور اپنی روا یا ناروا مرضی ان پر چلانا چاہتا ہے لیکن انہیں رضائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس سلسلہ میں ان پر سختی کرتا ہے۔ خاص طور سے آزادی سے ان کے گھومنے پھرنے پر کوئی روک نہیں لگاتا جبکہ اس کے نقصانات عیاں ہیں جبکہ اس معاملہ میں شریعت نے مرد ہی کو مختار کل قرار دیا ہے۔ روایت ہے کہ:

(ترجمہ) رسولؐ خدا نے عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے اور اگر وہ گھر سے (بغیر اجازت) نکلتی ہے تو آسمانی فرشتے ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے اور جن وانس اس پر اس وقت تک لعنت بھیجتے ہیں جبتک کہ وہ اپنے گھر میں واپس نہ آجائے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۴۳)

مردمان عراق کو سرزنش کرتے ہوئے امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ (ترجمہ) تمہیں شرم نہیں آتی اور تم غیرت نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں جاتی ہیں اور مردوں کے مجمع میں نامحرموں سے ٹکراتی ہیں۔

(کافی جلد ۵ صفحہ ۵۳۶)

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا ہے: (ترجمہ) عورتوں کو اچھے کام کرنے پر

آمادہ کرو قبل اس کے کہ وہ تم کو برے کام انجام دینے پر مجبور کریں۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۲۷)

اگر آپ نے پہلے سے انکو نیک راستے دکھا نہ رکھے تو ناز و نخرے کے ساتھ ان کے جائز مطالبات بڑھتے رہیں گے ان مطالبات میں سج دھج کر ان کا باہر نکلنا بھی ہے اور اکثر اس میں آپ کی مرضی بھی شامل رہے گی۔

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ہر وہ مرد کہ جس کی زوجہ سج دھج کر باہر نکلے وہ بے غیرت ہے، اسے بے غیرت کہنے والا گنہگار نہیں، جو عورت آرائش و خوشبو کے ساتھ باہر جائے اور اس بات پر اس کا شوہر راضی ہو تو خداوند عالم عورت کے ہر قدم پر دوزخ میں اس کے شوہر کے لئے ایک گھر تعمیر فرمائے گا۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۴۹)

خوشبو کا استعمال صرف شوہر کیلئے مناسب ہے غیر کے لئے سخت منع ہے۔ارشاد نبیؐ ہے:

(ترجمہ) ہر وہ عورت کہ جو شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے خوشبو لگائے اس کی کوئی نماز مقبول نہیں ہے جبتک کہ وہ خوشبو کو اس طرح نہ دھوڈالے جس طرح وہ خود کو جنابت سے پاک کرتی ہے۔ (کافی جلد ۵ صفحہ ۵۰۷)

شہزادی فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کا سبق آموز عمل ملاحظہ فرمائیں۔روایت میں ہے کہ

(ترجمہ) ایک نابینا اجازت لے کر خانۂ علیؑ میں داخل ہوا، رسول خداؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب فاطمہؑ فوراً کھڑی ہوئیں اور بتعجیل چادر سر پر ڈال لی، رسولؐ

نے فرمایا بیٹی یہ آدمی تو نابینا ہے حضرت فاطمہؑ نے عرض کی، اگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تو میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں وھو یشم الریح اور وہ خوشبو تو سونگھ سکتا ہے:

(المناقب صفحہ ۳۸۰ حدیث ۴۲۸)

قرآنی اعلان ہے، الرجال قوامون علی النساء۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں (سورۂ نساء آیت ۳۵) الرجال علیھن درجۃ مردوں کو ان (عورتوں) پر درجہ اور فضیلت حاصل ہے (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸)

آنحضرتؐ نے وضاحت فرمادی ہے:

(ترجمہ) مرد اپنے خانوادہ کا سرپرست ہوتا ہے اور ہر سرپرست پر اپنے ماتحتوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۵۰)

اسی لئے بیویوں پر شوہر کی اطاعت ہے نہ یہ کہ شوہروں پر بیویوں کی اطاعت ہے البتہ اطاعت تین چیزوں میں محدود ہے جسکا ذکر اختیارات شوہر کے ضمن میں موجود ہے۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اطاعت کی وضاحت فرمادی ہے: (ترجمہ) جو شخص اپنی بیوی کی اطاعت کرے خدا اس کو آگ میں ڈال دے گا۔ پوچھا گیا آنحضرتؐ آپ نے کیسی اطاعت کے بارے میں فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا بیوی اگر عوامی حماموں، شادی بیاہ کی محفلوں، عید اور سوگواری کی مجلسوں میں مہین اور بھڑکیلا لباس پہن کر جانا چاہے اور شوہر اس کو اجازت دے دے۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۲۸)

اکثر شوہر خود فرمائش کر کے ایسا لباس پہنوا کر بیویوں کو باہر گھماتے ہیں یا انہیں اس حالت میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، یہ اصول اپنے ذہنوں میں

بٹھالیں کہ اگر حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف شوہر کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی مخالفت واجب ہے۔

نگاہ شریعت میں شوہر کے اختیارات میں تین چیزیں اہم ہیں (۱) حقّ طلاق (۲) ازدواجی تعلقات (۳) بیوی کیلئے گھر سے باہر نکلنے کیلئے شوہر کی اجازت۔ نافرمان وناشزہ عورت کے لئے احکام میں مناسب سختیاں ہیں ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ) مرد عورتوں پر حاکم ہیں، ان فضیلتوں کی وجہ سے جو خدا نے بعض پر بعض کو دی ہیں، اور عورتوں پر ان کے مال خرچ کرنے کی وجہ سے پس نیک عورتیں وہی ہیں، جو شوہروں کی اطاعت کرنے والی اور ان کی غیبت میں ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جن کی حفاظت اللہ نے چاہی ہے اور جن عورتوں کی نافرمانی کا خطرہ ہے تو انہیں نصیحت کرو، خواب گاہ میں انہیں الگ کردو اور انہیں (کچھ) مارو، پس اگر انہوں نے تمہاری اطاعت کرلی تو تم ان کے خلاف کوئی راہ نہ تلاش کرو کہ خدا بہت بزرگ وبلند ہے (سورۂ نساء پارہ ۵ آیت ۳۴)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) جو پانی کی فضیلت زمین پر ہے (وہی فضیلت مردوں کو عورتوں پر ہے) اسلئے کہ زمین پانی کی وجہ سے زندہ ہے، اور عورتوں کی زندگی مردوں کے سبب ہے، اگر مرد نہ ہوتے تو عورتیں پیدا ہی نہ کی جاتیں۔ (علل الشرائع)

لیکن اس بالادستی کا مطلب بیجا سختی نہیں ہے۔ آیت بالا میں کچھ سختیوں کا ذکر ہے جن میں (ہلکی) مار بھی شامل ہے یہ فقط ان عورتوں کے لئے ہے جو سرکشی پر

اڑی رہتی ہیں ان میں زیادہ تر جاہل و بے سلیقہ ہوتی ہیں اور بعض پڑھی لکھی بھی ایسا ہی مزاج رکھتی ہیں۔دشمنان اسلام نے اس آیت سے غلط نتیجے نکالنے کی کوشش کی ہے جبکہ ہر مہذب سماج میں معاشرہ کو قابو میں رکھنے کے لئے سختیوں کا وجود ہے۔اسلام میں بھی یہ سختی مجبوری کی حالت میں ہے ورنہ عام حالات میں اس کی اجازت نہیں۔مکمل آیت پڑھئے اعتراض خود ہی رد ہو جاتا ہے۔اسکے علاوہ اس سلسلہ کے احادیث مسئلہ کو بالکل واضح کر دیتے ہیں۔روایت ہے کہ :(ترجمہ)رسول خداؐ نے عورتوں کو مارنے کی ممانعت فرمائی ہے سوائے اس صورت کے کہ جب تنبیہ واجب ہو۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۵۰)

اس میں بھی شرائط ہیں سب سے اہم شرط ہے مقصد اصلاح ہو انتقام نہیں، ضرب شدید نہ ہو، سیاہ و سرخ نشان نہ پڑیں، (ورنہ دیت واجب ہوگی) نازک حصوں آنکھ سر وغیرہ کو نقصان نہ پہنچے، آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے:(ترجمہ) جو شخص اپنی زوجہ کو مارتا ہے اور تین بار سے زیادہ ضرب لگاتا ہے تو خداوند عالم اسے بروز حشر مخلوق کے سامنے رسوا کریگا اور پہلے و بعد کی تمام مخلوق اس کا تماشہ دیکھیں گی۔

(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۵۰)

آپ نے اس سے زیادہ واضح انداز میں ارشاد فرمایا (ترجمہ) میں حیرت کرتا ہوں اس مرد پر جو اپنی بیوی کو مارتا ہے، حالانکہ وہ اپنی بیوی سے زیادہ خود مار کھانے کے لائق ہے، اے لوگو! اپنی بیویوں کو لکڑی سے نہ مارو کیونکہ اس کا قصاص ہے۔(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۴۹) روایات میں ہے کہ مسواک کی لکڑی ہونا چاہئے۔

لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ایک مقام پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) لوگو! تم میں سے جو اپنی بیوی کو مارتے ہیں وہ اس سے ہم آغوش کس طرح ہوتے ہیں؟ (وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۹)

ان ارشادات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سوائے مخصوص مواقع کے عورتوں پر سختی جائز نہیں، وہ زندگی کی ہمسفر ہیں، آپ کے دکھ درد میں شریک ہیں، آپ کی نسل کی امین ہیں، لہذا ان کا پورا خیال رکھئے، انہیں والدین سے ملنے سے نہ روکئے، ان کے لئے مناسب آسانیاں فراہم کیجئے، امیر المومنین حضرت علیؑ کے قول کی روشنی میں عام تعلیم یہ ہے کہ: (ترجمہ) باہم ایک دوسرے سے قربت اختیار کرو اور احسان کرو، لڑائی جھگڑے اور دوری سے بچو۔

(بحار الانوار جلد ۷۴ صفحہ ۴۰۰)

پھر زوجہ کو تو زیادہ حق پہنچتا ہے کہ شوہر اس سے حسن سلوک سے کام لے اور زوجہ کا بھی فریضہ ہے کہ وہ شوہر سے اچھا برتاؤ رکھے۔

❀❀❀

مقدمات نماز وشرائط نماز پر کوئی توجہ نہیں۔ اسی طرح جنت کو ن حاصل نہیں کرنا چاہتا مگر کس طرح کہ۔۔۔۔۔ ''نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ آئے چوکھا''، کوئی ایسا نسخہ مل جائے کہ بغیر کچھ کیئے جنت اپنی جھولی میں آجائے۔ حالانکہ اکتساب جنت کوشش کے ساتھ جنت حاصل کرنے کی شرط ہے۔

جو ہوشیاری ہے وہی اصلاح سب سے بڑی بے وقوفی ہوتی ہے۔ قلیل دنیاوی فائدہ کے لئے انسان کثیر فوائد عقبیٰ کو قربان کر دیتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ ہم بہت کامیاب ہیں۔ جب کہ اگر ذرا سی کھلی ہوئی آنکھوں سے گردوپیش کا جائزہ لے تو بے اعتباریٔ دنیا عیاں ہے۔ اس دنیا کی بے اعتباری جس پر خواہ مخواہ انسان نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ دنیا کا اقتدار یہاں کا مال ومنال حسن وجمال۔ بازوؤں کی طاقت انہیں کے بل پر وہ دوسروں کو ذلیل کرتا ہے۔ اپنی برتری کا راگ الاپتا ہے کیا ہم اپنی چند روزہ زندگی ہی میں نہیں دیکھ لیتے کہ ایک شخص کا بڑا اقتدار ہے بڑی حیثیت ہے رعب و داب ہے طوطی بولتا ہے لیکن جب اقتدار ہاتھ سے نکلا تو وہی شخص آہستہ آہستہ اسی طرح گمنامی کے غار میں گم ہو جاتا ہے کہ نئی نسل کو اس کا نام بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ایک شخص کے پاس مال دنیا کی اتنی فراوانی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اظہار کے لئے صبح وشام دولت پانی کی طرح لٹاتا ہے۔ اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہی شخص نان شبینہ کا محتاج نظر آتا ہے۔ ایک صاحب حُسن وجمال ہے جس کا غرور حُسن اسے زمین پر پیر نہیں رکھنے دیتا۔ لیکن جب یہ تیزی سے رخصت ہوتا ہے تو کوئی بھی جتن اسے پلٹانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اور اسے برقرار رکھنے کی سعی ناکام بھی بالآخر دم توڑ دیتی ہے۔ صحت

کیا آپ زوجہ ہیں؟ (۱)

(ماہنامہ اصلاح ستمبر ۲۰۰۵ء، شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ)

آپ اگر کسی کی شریک حیات بننے کی منزل تک پہنچ گئی ہیں تو اس پر بہت مسرور نہ ہوئیے کہ بس یہ عیش وعشرت کا زمانہ ہے نہیں بلکہ آپ کی ذمہ داریاں اب بہت بڑھ گئی ہیں۔ مجازی خدا کی دلداری ایک طرف اور ایک بالکل نئے ماحول میں اپنی جگہ بنانا دوسری طرف جذبات سے مغلوب ہوکر اگر آپ نے اپنی زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکال دیا یا کوئی انتہا پسندی کا قدم اٹھالیا تو ساری زندگی آپ کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

کبھی کبھی مائیکے والے، اپنی محبت سے مجبور ہوکر کسی معمولی بات میں لڑکی کی جم کر جنبہ داری کرتے ہیں اور یہی معمولی بھول مستقبل میں بات کا بتنگڑ بن کر لڑکی کی زندگی میں زہر گھول دیتی ہے۔ لہٰذا آپ پوری کوشش کیجئے کہ مسائل کو اپنی سوج بوجھ سے حل کیجئے اور حتیٰ الامکان اپنے مائیکے والوں کو فریق نہ بننے دیجئے۔ اس لئے کہ اگر محاذ بنا تو آئندہ جنگ وجدال کے خطرات سر پر منڈلاتے رہیں گے۔ اور جب گھروں میں لڑ بھڑ کر مسائل حل کرنے کی روش ہوتی ہے وہاں صحیح طور سے مسائل کبھی حل نہیں ہوتے۔ آپ کی پوری کوشش ہونا چاہئے کہ شوہر اور اس کے گھر والوں کو بھرپور محبت دیجئے اور ان سے جوابی محبت لیجئے۔ محبت بھی خلوص کی بنیاد پر ہو ریاکاری کے ذریعہ نہ ہو۔ اس لئے کہ ریاکاری کا پردہ دیر سویر

فاش ہوتا ہے۔ اس صورت میں سسرال میں آپ کی پوزیشن بہت بری ہو جائے گی اور آپ قابل اعتبار نہ رہ جائیں گی۔

آپ کا اصل رابطہ شوہر سے ہے اور اس کا فائدہ اٹھا کر آپ اسے اس کے گھر والوں کے خلاف بھڑکایئے نہیں بلکہ اگر وہ کسی وجہ سے اپنے گھر والوں سے کچھ دور ہو گیا ہو تو آپ اپنے خلوص اور حکمت عملی کے ذریعہ اس دوری کو قربت میں بدلنے کی کوشش کیجئے اس لئے کہ خونی رشتوں کی کشش اور فطری محبتیں زیادہ دنوں تک سرد خانوں میں نہیں پڑی رہتیں وہ جب بھی جاگیں گی تو سارا وبال آپ ہی پر آپڑے گا۔

بعض عورتیں شوہر ہی سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں تو اس کے گھر والوں سے ان کی کیا بنے گی نتیجہ میں گھر جنت نظیر بننے کے بجائے جہنم کا نمونہ بنا رہتا ہے۔ یہ مان کر چلئے کہ شوہر غلطیاں کرے گا اور کبھی کبھی بہت غلطیاں کرے گا۔ تو ایسے میں آپ کو کیا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ اس کی اگر غلطیاں ہیں تو ان کی اصلاح بھی ہو جائے اور خانگی سکون بھی برباد نہ ہو اس کے بجائے اگر آپ نے اس سے بڑی غلطیاں کرنا شروع کر دیں اور سارے مسائل یا جذبات کے ذریعہ حل کرنا چاہے یا چالبازی کے ذریعہ تو آپ کے اور آپ کے شوہر کے گھر کا اللہ ہی مالک ہے۔ زن و شوہر کے درمیان اصل چیز ہے خلوص و محبت اور خلوص و محبت آپ نہ دے سکیں نہ لے سکیں تو بنیاد ہی کمزور ہے۔ کمزور بنیاد پر جو عمارت بنے گی وہ ایک نہ ایک دن گرے گی۔

شوہر و زوجہ کے درمیان خلوص و محبت رخصت ہو جانے کا سبب اکثر طرفین کے گھر والے بنتے ہیں، شوہر کے گھر والے بیوی میں اتنے کیڑے نکالتے ہیں اور

اس کے خلاف اتنا کان بھرتے ہیں کہ شوہر زوجہ سے بددل ہوجاتا ہے اور اکثر بیوی کے گھر والے لڑکی کو شوہر اور اس کے گھر والوں کے خلاف اس درجہ بھڑکاتے ہیں کہ وہ اپنی سسرال میں محاذ جنگ کھول لیتی ہے اور اپنا سکون خود غارت کرلیتی ہے۔لہٰذا آپ کو ایسی صورت حال سے بچنا چاہئے۔تنازعات کہیں کے ہوں ان میں زیادہ تر آپ معاملہ فہمی کی کمی اور بدگمانیوں کی کارفرمائیاں پائیں گی۔آپ کو اگر شوہر سے کوئی شکایت ہے تو اچھے ڈھنگ سے اس سے بات کرلینا زیادہ بہتر ہوگا بہت سے معاملات اسی سے حل ہوجائیں گے۔شوہر کو اپنی سسرال والوں کا احترام کرنا چاہئے اور بیوی کو بات بات میں اپنے مائیکے کی برتری ثابت کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔اور اپنے شوہر کے احترام میں کمی نہ آنے دینا چاہئے۔اس رویے کے خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے۔حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) تم میں سے بہترین عورت وہ ہے جس کے زیادہ بچے ہوں، شوہر سے محبت کرنے والی، پاک دامن و باحیا ہو، اپنے رشتہ داروں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے مقابلے میں اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔اپنے شوہر کے لئے خود کو آراستہ کرے خود کو غیروں سے محفوظ رکھے۔اپنے شوہر کی بات سنے اس کی اطاعت کرے۔خلوت میں اس کے ارادہ پر عمل کرے۔لیکن ہر حال میں شرم وحیا کو رخصت نہ ہونے دے۔(مزید ارشاد فرمایا) تم میں بدترین عورت وہ ہے کہ جو اپنے رشتہ داروں کی تو فرمانبردار ہو لیکن اپنے شوہر کی بات پر کان نہ دھرے، کینہ+ ور اور بانجھ ہو، برے کاموں سے پرہیز نہ کرے۔شوہر کی غیر موجودگی میں تو سجی بنی رہے اور خلوت میں شوہر کے خواہشات کو ٹھکرادے۔اسکے عذر کو قبول نہ کرے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۳۵)

بعض بیویاں غصہ گرمی اور روٹھے رہنے میں اپنی کامیابی سمجھتی ہیں ان کا

خیال یہ رہتا ہے کہ اس طرح شوہر پر ہم اپنا دباؤ بنائے رکھیں گے جبکہ یہی رویہ دونوں میں دوری کا سبب بن جاتا ہے۔ غصہ اور بدمزاجی بہت بری چیز ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) غصہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جس نے غصہ پی لیا اس نے اس آگ کو بجھا دیا۔ اور جس نے غصہ پر قابو نہ پایا تو اس آگ میں جلنے والا پہلا وہی ہوگا (غرر الحکم ۱۷)

امیر المومنینؑ ہی کا ارشاد ہے: (ترجمہ) خوش اخلاقی رزق کو اتارتی ہے اور دوستوں میں انس و محبت بڑھاتی ہے۔ (غرر الحکم صفحہ ۳۷۹)

ہر جائز و ناجائز بات پر اڑی رہنا اور اپنے رویہ میں لچک نہ پیدا ہونے دینا خود آپ ہی کے لئے زیادہ مصیبت ہے۔ آپ جائزہ لے کر دیکھ لیں۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(ہٹی اور ضدی عورتیں بدترین ہوتی ہیں۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۳۲)

عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے مجاہدہ بننے کا نسخہ بتا دیا ہے آپ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اچھی طرح خدمت انجام دے (بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۴۷)

یہ کون سی عقلمندی ہے کہ آپ اپنا اور دوسرے کا سکون برباد کر دیں سکون ہی زندگی کا سرمایہ ہے روحانی نسخے موجود ہیں ان پر عمل کیجئے اور سکون حاصل کیجئے۔

❁❁❁

کیا آپ زوجہ ہیں؟ (۲)

(ماہنامہ اصلاح اکتوبر ۲۰۰۵ء، رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

بیویوں کا شوہروں کے گھریلو کام انجام دینا ان کی شرعی ذمہ داری نہیں یہاں تک کہ اگر وہ چاہیں تو بچوں کو دودھ پلانے کا معاوضہ بھی وہ اپنے شوہروں سے وصول سکتی ہیں شریعت نے عورتوں کو خدمت کا پابند اس لئے نہیں کیا کہ اس بہانے بعض شوہر زیادتی پر اتر آتے لیکن اخلاق و ایثار کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں شوہروں کی خدمت انجام دیں اور انکے دلوں میں اپنی وقعت بڑھائیں مخدومۂ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی تاسی کا بھی تقاضا یہ ہے کہ عورتیں گھریلو کام انجام دیں اسی میں ان کا وقار و عزت ہے۔ مثل مشہور ہے: ''خدمت میں راحت ہے''۔ خدمت کسی کی کی جائے، باپ، ماں، سسر، ساس، استاد۔ یہ سب خوش ہوتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ شوہر اگر معقول ہے تو وہ زوجہ کی خدمت پر ممنون ہوتا ہے اور باہم محبت و خلوص میں اضافہ ہوتا ہے جو ایک پرسکون خانوادہ کی بہترین دولت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) بنسبت اپنے شوہر کے عورت کا فرض ہے کہ گھر کے چراغ کو روشن کرے اور اچھی و عمدہ غذائیں تیار کرے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۵۱)

آنحضرتؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

(ترجمہ) تم میں بہترین عورت وہ ہے جو اپنے بدن میں (اپنے شوہر کیلئے) خوشبو لگائے، کھانا پکانے کے فن میں ماہر ہو اور زیادہ خرچ نہ کرے ایسی عورت کا شمار خدا کے عمال میں ہوگا اور خدا کے عامل کو کبھی بھی شکست و شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۵)

ایک خاتون نے پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسولؐ اللہ! شوہر کے گھر میں عورت کی خدمت انجام دینے کی کیا فضیلت ہے؟

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا!

(ترجمہ) گھر داری میں جو بھی کام انجام دے خداوند عالم اس پر نظر لطف فرمائے گا اور جو شخص بھی خدا کا منظور نظر ہوگا وہ عذاب الٰہی سے زیادہ محفوظ رہے گا

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۵۱)

جن زن و شو میں ناچاقی رہتی ہے وہ ایک دوسرے کے کاموں میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں۔ بیوی کو شوہر کا کوئی کام اچھا نہیں لگتا، کوئی ادا نہیں بھاتی شوہر کو بیوی کے ہر کام میں نقص نظر آتا ہے۔ اور وہ بیچاری نکتہ چینیوں کا نشانہ بنی رہتی ہے۔ کم و بیش کمیاں کس کے کاموں میں نہیں ہوتیں بات سوچ بوجھ، نظر انداز کرنے اور برداشت کی ہوتی ہے۔ سخت وست کہنے کے بجائے سمجھانے بجھانے سے بھی تو کام چل سکتا ہے۔ بلکہ یہی بہتر ہوتا ہے۔ اگر کمیاں نظر انداز نہ کی جائیں تو گھر میں ناچاقی لازمی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) عفو در گزر انسان کی بزرگی میں اضافہ کا سبب ہے۔ معاف کرنے کی عادت ڈالو تاکہ خدا تم کو دوست رکھے (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۱۹)

شوہر مرد اور قوی ہوتا ہے وہ اپنی اس برتری کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس مرحلہ میں بھی عورت کا حکمت و برداشت سے کام لینا مناسب ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) جو عورت اپنے شوہر کی بداخلاقیوں کے مقابلہ میں صبر و بردباری سے کام لیتی ہے خداوند عالم اسے حضرت آسیہؑ (زن فرعون) جیسا ثواب عطا فرمائے گا (بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۳۹)

تعلیمات اسلام میں حکمت و دانائی کے خزانے ہیں یہ طے ہے کہ فرعونیت کا جواب فرعونیت نہیں ہے۔ بلکہ دانائی و حکمت ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) تم میں سے بہترین عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کو غصہ میں دیکھے تو کہے میں تمہارے خواہشات کے سامنے سر جھکاتی ہوں، جب تک تم راضی نہ ہو جاؤ گے میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور رہے گی۔

(بحار الانوار جلد ۱۰۳ صفحہ ۲۳۹)

تاریخ اسلام میں ایسی قابل قدر عورتیں گزری ہیں جنہوں نے زن وشو کے رشتوں کو معنوی معراج سے ہمکنار کیا ہے انہیں کی تاسی میں بہترین اسلامی معاشرہ تشکیل پایا ہے۔ روایت ہے کہ:

(ترجمہ) ایک شخص خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میری بیوی ایسی ہے کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہ خود دروازہ کھولتی ہے اور مسکراتے ہوئے میرا استقبال کرتی ہے میرے ساتھ رہتی ہے مجھ سے باتیں کرتی ہے اور تبسم کرتی ہے جب میں غمگین ہوتا ہوں تھک جاتا ہوں تو وہ میری تھکاوٹ

اور میرے غم کو دور کرتی ہے پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا یہ عورت الٰہی کارندوں میں سے ہے وہ فرشتہ ہے اور اس کا ثواب بھی فرشتوں جیسا ہے اور اس کا عمل بہت قیمتی ہے (اخلاق در خانہ، آیۃ اللہ حسین مظاہری مجلس دہم)

اپنے شوہر کیلئے عورت خوش رفتار و خوش گفتار ہو تو گھر نمونۂ عمل بنتا ہے سب سے زیادہ نقصان اس کی تلخ زبانی پہنچاتی ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) تین چیزیں انسان کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں ا

ا۔ ظالم حکم ۲۔ بدکردار ہمسایہ ۳۔ بدزبان عورت

(تحف العقل صفحہ ۲۷۰ جلد ۴۵)

ایسی عورت اپنی چرب زبانی سے سارے الزامات اپنے شوہر پر رکھنے کی فکر میں رہتی ہے اور خود اپنا محاسبہ نہیں کرتی ورنہ اسے اندازہ ہوتا کہ اپنے شوہر کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ اس کا قد کتنا بلند کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کی زبان پر شکوے نہیں بلکہ شکریئے کے الفاظ ہوتے ہیں۔ لالچ و خود غرضی ایک بہت بڑی آفت ہے جس سے بچنا چاہئے۔ تاریخ میں شوہر کے لئے قربانی کی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جو انتہائی قابل رشک و لائق ثنا ہیں روایت کہ:

(ترجمہ) انصار مدینہ میں سے ایک صحابی کی زوجہ تھیں ام سلیم ان کے شوہر کاریگر تھے اور انتہائی عقلمند مرد مومن ان کا ایک فرزند تھا جو بیمار پڑ گیا شوہر روزانہ کام پر چلا جاتا۔ ایک دن بیمار بچہ بعد ظہر انتقال کر گیا ان دونوں کی گویا کمائی لٹ گئی۔ عورت فطری تقاضوں کے تحت میت کے پاس روتی بلکتی رہی پھر سوچا

اب تو یہ دنیا میں واپس نہیں آ سکتا لہذا شوہر کا دل کیوں دکھاؤں۔ اس نے حسب معمول شوہر کے استقبال کی تیاری کی شام کو شوہر آیا تو خوشروئی سے اس کا استقبال کیا۔ بچہ کی خیریت پوچھنے پر اس نے شوہر کو اطمینان دلایا۔ جب اس کا شوہر نماز مغرب رسولؐ کے ساتھ باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد النبوی جانے لگا تو ام سلیم نے اس سے پوچھا کہ اگر آپ کے پاس کوئی امانت رکھے اور کچھ عرصہ کے بعد واپس مانگے اور آپ دینے سے انکار کریں تو یہ کیسا ہے؟ صحابی نے جواب دیا بہت برا ہے۔ امانت میں خیانت گناہ عظیم ہے۔ مجھے چاہئے کہ امانت کو واپس کردوں ام سلیم نے کہا کچھ عرصہ پہلے اللہ نے ہمیں ایک امانت بشکل اولاد دی تھی آج وہ امانت واپس لے لی اس کا انتقال ہو گیا آپ رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اپنے دوستوں کو اس واقعہ سے باخبر کریں تا کہ وہ آ کر بچہ کو دفن کر دیں۔

(اخلاق درخانہ مجلس پانزدھم)

کتنا حیرت ناک ہے یہ واقعہ اور کیا دل وجگر تھا ام سلیم کا۔ اس نے اولاد کے غم پر شوہر داری کو ترجیح دے کر ایک انمول مثال قائم کر دی۔ اگر آپ کسی شوہر کی زوجہ ہیں آپ میں اتنا حوصلہ نہیں جو ام سلیم میں تھا تو کم از کم اس کے برعکس تو نہ ہو۔ یعنی آپ اپنی اس ناپائیدار زندگی کو شوہر کو کوسنے اور اسے سخت وسست کہنے میں گزار دیں نتیجہ میں نہ دنیا کا سکون ہاتھ آئے نہ آخرت کا۔

❀❀❀

کیا آپ اولاد ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح نومبر دسمبر ۲۰۰۵ء شوال ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ)

آپ باپ ہیں، آپ ماں ہیں، آپ شوہر ہیں، آپ زوجہ ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ اپنے والدین کے بیٹے ہیں یا بیٹی ہیں۔ قرآن وحدیث میں مخلوق کے حقوق میں نبیؐ وامامؑ کے بعد اگر کسی کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے تو وہ والدین کے حقوق ہیں والدین وہ ہیں جو ایک کلمۂ عاق کے ذریعہ جنت سے کھینچ کر دوزخ تک پہنچادینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اگر اولاد نے زندگی میں انہیں ناراض کیا تو وہ عاق کی جاسکتی ہے اور اگر مرنے کے بعد ایصال ثواب وغیرہ میں کوتاہی کی تو عاق ہوسکتی ہے۔ اولاد کا والدین کے ساتھ کیسا برتاؤ ہو؟ قرآن مجید نے واشگاف الفاظ میں وضاحت کردی ہے۔

ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) اور آپ کے پروردگار کا (دوٹوک) فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا پھر دونوں ہی بوڑھے ہوجائیں تو خبردار ان سے اُف تک نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا نہیں اور ان سے ہمیشہ شرافت مندی کے ساتھ گفتگو کرنا اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا (باادب رہنا) اور ان کے لئے یہ دعا کرتے رہنا کہ پروردگار ان دونوں پر اسی طرح

وجوانی بازوؤں کی طاقت جس کے بل پر انسان آئے دن دوسروں کی ناک رگڑتا رہتا تھا۔اسی صحت وجوانی پر جب چڑھتی ہوئی عمر اپنے اثرات ڈالتی ہے تو چہرے پر جھرّیاں پڑ جاتی ہیں بال سن سپید ہوجاتے ہیں بازوؤں کی کھال لٹک آتی ہے۔ ہاتھوں میں لرزہ پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ زبان جو بہت آسانی سے دوسروں کی عزت خاک میں ملاتی رہتی تھی وہی اب ما فی الضمیر کے اظہار میں بھی ناکام رہتی ہے جس کی ٹھوکروں میں زمانہ رہتا تھا، اب اس کا ایک قدم اٹھائے نہیں اٹھتا۔ یہ انسان کے اپنے خود اعضاء وجوارح ہیں، جو اس کے قابو میں نہیں جب انسان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوتی کہ اپنی کھوئی دولت واپس لے لے تو جب چیزوں پر اپنا خود اختیار نہیں ان کے بل پر غرور کرنا اکڑنا کیا یہ عقلمندی ہے؟

ایسے نفسانی امراض کے شکار معاشرہ کی اصلاح کے لئے انسان کو ان کی خلقت کی غرض وغایت بتانے کے لئے یتیم عبد اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے جنہوں نے ”الفقر فخری“ فقر میرے لئے قابل فخر کا نعرہ بلند کیا۔ فاقوں میں وقت گزرا۔ ہر طرح کی زحمت برداشت کی۔ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاداری وپیروی ہی ہمارا سرمائیہ افتخار ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ زمیں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

❀❀❀

رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔

(پارہ ۱۵۔ سورہ ۱۷۔ اسراء آیات ۲۳ و ۲۴)

اولاد میں لڑکا ہو یا لڑکی والدین کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داریاں بہت ہیں۔ لیکن لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں یہ سچ ہے کہ لڑکی اللہ کی رحمت ہے وہ والدین کو بہت سکون و آرام فراہم کرتی ہے۔ اس کی ذرا سی لغزش معاشرہ میں والدین کا سر جھکا دیتی ہے۔ اگر وہ حساس و غیرت مند ہیں تو تا حیات وہ نا قابل بیان روحانی اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن لڑکا وہ ہے جس سے نسل چلتی ہے۔ اگر وہ سعادت مند ہے تو والدین کا نام روشن کرتا ہے اور اگر بے راہ رو ہے تو والدین کا نام بدنام کرتا ہے۔ والدین کو لڑکے سے بہت امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ کبھی تو یہ امیدیں تیزی سے پروان چڑھتی ہیں اور کبھی ان امیدوں اور آرزوؤں کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ والدین کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی ان کے پر امید توقعات پر پوری اترے۔ وہ جس مناسب میدان میں اترے وہاں قابل تعریف کارنامے انجام دے۔ ان کے لئے اولاد سے زیادہ کوئی نہیں ہوتا ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اولاد ان کی نصیحتوں پر کان دھرے اور ان سے عزت واحترام سے پیش آئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) نیک اولاد آدمی کے خوش قسمت ہونے کی نشانی ہے

(وسائل الشیعہ جلد ۱۶ صفحہ ۹۷)

بچپن ہی سے اولاد کو والدین کا فرمانبردار ہونا چاہئے اور یہ خود والدین کی ذمہ داری ہے کہ اسے ابتدا ہی سے فرمانبرداری کے گر سکھائیں۔ ورنہ یہی اولاد

بعد میں باغی و سرکش ہو گی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) بچپن میں کسی بچے کی والدین کے حکم کے خلاف جسارت و بے توجہی، بڑا ہو کر اس کے سرکش اور نافرمان بننے کا سبب بنتی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۸ صفحہ ۲۷۴)

اگر تربیت میں کوتاہی نہیں ہے تو والدین کے ساتھ بدسلوکی کی اولاد تنہا ذمہ دار ہے۔ اولاد اگر اپنے والدین کو راضی نہ رکھ سکے تو یہ خداوند عالم کے غضب کا سبب ہے حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: (ترجمہ) والدین کی رضا کے ساتھ اللہ کی رضا اور ان کی ناراضگی کے ساتھ اللہ کی ناراضگی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۲ صفحہ ۸۰)

محقق اردبیلی علیہ الرحمہ کا موقف ہے کہ:

(ترجمہ) عقل و نقل دونوں ہی سے والدین کی نافرمانی حرام ہے اور آیات و روایات سے وجوب اطاعت والدین کو سمجھا جا سکتا ہے فقہا کا قول ہے کہ والدین اپنے فرزند کو جنگ و جہاد پر جانے سے روک سکتے ہیں شرط یہ ہے کہ محاذ پر جانے کا حکم امامؑ نے نہ دیا ہو یا مسلمانوں کے شہروں پر کافروں نے حملہ نہ کر دیا ہو۔

(حاشیہ اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)

عام لوگوں کے مقابلہ میں والدین کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: (ترجمہ) جو شخص اپنے والدین پر نگاہ پُرغضب ڈالتا ہے خداوند عالم اس کی نماز قبول نہیں فرماتا اگرچہ والدین نے اپنی اولاد کے فرائض کو پورا کرنے میں کوتاہی کی ہو۔ (اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)

امام زین العابدین علیہ السلام نے حقوق والدین کی تفصیلاً صراحت فرمائی ہے:

(ترجمہ) تم پر تمہاری ماں کا حق یہ ہے کہ تمہیں جاننا چاہیئے کہ وہ تمہیں (اپنے شکم میں) اس طرح اٹھائے پھری کہ اس طرح کوئی کسی کو نہیں اٹھاتا اور اپنے میوۂ دل (دودھ) سے تمہیں غذا پہنچائی اس طرح کوئی کسی کو غذا سے سیر نہیں کرتا۔ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ پیر جلد بلکہ تمام اعضا و جوارح کے ساتھ تمہیں خوشی خوشی اٹھائے رہی اگرچہ وہ اس کے سبب مسلسل زحمات و تکالیف و مشکلات کا شکار رہی۔ یہانتک کہ جب دست قدرت نے تمہیں اس سے جدا کر دیا اور تمہیں زمین پر اتار دیا تو وہ خود تو بھوکی رہی مگر تمہیں شکم سیر کیا۔ اپنے لباس کا خیال نہیں کیا تمہیں لباس پہنایا۔ خود تو پیاسی رہی تمہیں سیراب کیا۔ خود نے دھوپ کی شدت جھیلی تمہیں سایہ میں رکھا۔ اس کی تکالیف میں تم نے آرام پایا۔ خود بیدار رہی تمہیں سلایا۔ اس کا شکم تمہارا مسکن اور اس کا مکان تمہاری حفاظت گاہ بنا۔ اس کے پستان تمہارے دودھ پینے کا چشمہ اور اس کا نفس تمہارا نگہبان تھا۔ اس نے تمہارے لئے سرد و گرم کو برداشت کیا۔ اس کی ان زحمتوں اور تکلیفوں کا شکریہ ادا کرو۔ لیکن تم الٰہی مدد و توفیق کے بغیر اس شکریہ پر قادر نہیں ہو سکتے۔

اور تمہارے اوپر تمہارے باپ کا حق یہ ہے کہ تمہیں جاننا چاہیے کہ وہی تمہاری اصل و بنیاد ہے تم اس کی شاخ ہو اگر وہ نہ ہوتا تو تم نہ ہوتے پس اگر تم کوئی ایسی چیز خود میں دیکھو کہ جو تم میں خود پسندی پیدا کر دے تو اس وقت تم یہ جان لو کہ اس نعمت کا سبب تو تمہارا باپ ہے اور اس بات پر اللہ کی حمد کرو اور اس کا شکر بجالاؤ اور الٰہی طاقت کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے۔ (رسالۃ الحقوق امام زین العابدین علیہ السلام)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسولؐ خدا سے پوچھا بیٹے پر باپ کا حق کیا ہے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) باپ کا نام نہ لے، راستہ چلنے میں اس پر سبقت نہ کرے اس کے سامنے نہ بیٹھے اور ایسے کام نہ کرے کہ جسکی وجہ سے باپ کو برا کہا جائے۔

(اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

والدین کے ساتھ بے ادبی اور ان سے بدسلوکی کا خمیازہ انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ وہ نزاکت ہے بہر حال جونگاہوں میں رہنا چاہئے۔ اور کبھی ان سے ناروا سلوک کو روا نہ رکھنا چاہئے۔ روایت ہے کہ:

(ترجمہ) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ میرے والد امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا اور بیٹا اپنے باپ کے ہاتھ پر تکیہ کئے ہوئے تھا یہ دیکھ کر امام اس درجہ رنجیدہ ہوئے کہ اس سے تاحیات بات نہ کی۔ (وسائل الشیعہ کتاب النکاح)

امام محمد باقر علیہ السلام ہی کا ارشاد ہے: (ترجمہ) بعض افراد حیات والدین میں تو ان کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور جب وہ انتقال کر جائیں تو وہ ان کا قرض نہیں ادا کرتے، ان کے لئے دعاء مغفرت نہیں کرتے تو انہیں اللہ عاق لکھ دیتا ہے۔ (کتاب التعریف صفحہ ۳۹)

ایک نوجوان صحابی پر نزاعی کیفیت طاری ہے، رسولؐ سرہانے تشریف فرما ہیں آپؐ نے اس سے سوال کیا تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے؟ اس نے عرض کی دوڈراونی شکلیں میں دیکھ رہا ہوں جو مجھے دوزخی ہونے کی خبر دے رہی ہیں رسولؐ

نے اس کی ماں کو طلب کیا رسولؐ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں اپنے اس فرزند سے سخت ناراض ہوں حضورؐ کی سفارش پر اس عورت نے اسے معاف کر دیا۔ رسولؐ نے پھر پوچھا اب تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسولؐ اللہ دو مہربان و شفیق چہرے مجھے دکھائی دے رہے ہیں جو مجھ کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ (انوار نعمانیہ وغیرہ)

اگر آپ اولاد ہیں تو والدین کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں سمجھئے۔ ان کی خدمت میں دریغ نہ کیجئے۔ ان کے سامنے باادب رہئے ان کی باتوں کو توجہ سے سنئے، ان کی نافرمانی سے بچیے، اور ان کے جائز توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کیجئے۔ آپ اگر علم و ادب سے آراستہ ہوں گے، بامقصد زندگی گزاریں گے، وقت کی بربادی سے بچیں گے، فضولیات سے پرہیز کریں گے، نیکی اور سعادت کو اپنا شعار بنائیں گے اور ایک ذمہ دار انسان بن کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوں گے تو اپنے ملک و قوم اور اپنے مذہب کا نام تو اونچا کریں ہی گے، آپ کے والدین اگر زندہ ہیں تو فخر سے ان کا سر بلند ہوگا اور اگر زندہ نہیں ہیں تو ان کی روحیں مسرور ہو کر آپ کو دعائیں دیں گی۔ اگر ایسا ہوا تو سمجھئے دنیا جہان کی دولت آپ کے ہاتھ آ گئی۔

❀❀❀

ادارۂ اصلاح، لکھنؤ

یہ ادارہ عالم جلیل القدر سید حسن باخداؒ کے فرزند فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر نقوی صاحب قبلہؒ نے کھجوہ ضلع سیوان بہار میں ۱۵/ شعبان المعظم ۱۲۹۲ھ پنجشنبہ ۱۶/ ستمبر ۱۸۷۵ء کو ترویج مذہب اسلام اور فروغ مسلک جعفری کیلئے قائم کیا۔ اس ادارہ نے سیکڑوں نادر کتابیں شائع کیں جن میں دس جلدوں میں سیرت امیر المومنینؑ ''نفس رسولؐ'' بھی ہے۔ اس ادارہ سے تین علمی جریدے بھی شائع ہوئے، ''الکلام''، ''الشمس'' اور ''اصلاح''۔ ماہنامہ اصلاح بحمد اللہ آج بھی سرزمین لکھنؤ سے جاری وساری ہے۔

ادارۂ اصلاح کے آئندہ کے انشاء اللہ تعالیٰ اشاعتی منصوبے بہت ہیں۔ دقتیں اور پریشانیاں راستہ روکتی ہیں لیکن پوری امید ہے کہ چونکہ یہ ادارہ یوم ولادت باسعادت حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف قائم ہوا ہے لہٰذا ان کی برکت سے اسے بھی طول عمر عطا ہوگی۔ اور فروغ دین میں یہ اپنی ذمہ داری ادا کرتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

رابطہ کا پتہ:

ادارۂ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

فون نمبر: 0522-4077872 09415465237

ای میل: mahnamaislah@gmail.com

islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

ماھنامہ اصلاح، لکھنؤ

کھجوہ ضلع سیوان بہار کی عظیم علمی شخصیت فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر نقویؒ نے جریدۂ اصلاح فروغ مذہب حقہ کیلئے ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۱۵ھ یکشنبہ ۹ جنوری ۱۸۹۸ء کو جاری کیا تھا اور اس کا مدیر اول اپنے فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقویؒ کو مقرر کیا تھا۔ بحمد اللہ برکت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے یہ علمی و دینی جریدہ آج بھی سرزمین لکھنؤ سے پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ اب تک یہ متعدد تاریخی ضخیم نمبر شائع کر چکا ہے۔ ۱۵ر نومبر ۲۰۰۷ کو شیخ مفیدؒ حال قم یونیورسٹی میں کتاب سال ولایت کے نویں دور میں عظیم مذہبی و سیاسی شخصیتوں کے ہاتھوں موجودہ مدیر اصلاح کو انعام سے نوازا گیا اور اس منفرد حقیقت پر حیرت کا اظہار کیا گیا کہ مذکورہ طویل مدت کے دوران اس مجلہ کے صرف تین مدیر گزرے ہیں۔ ادارہ ہر سال حسینی جنتری، محرم نمبر، اور گاہے گاہے کوئی دیگر خصوصی نمبر بھی شائع کرتا ہے۔ ادارہ سے ہندی میں بھی حسینی جنتری شائع ہوتی ہے۔ ماہنامہ اصلاح کا سالانہ زر تعاون 500 روپئے ہے۔ رابطہ کا پتہ یہ ہے۔

منیجر ماہنامہ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علی مرحوم

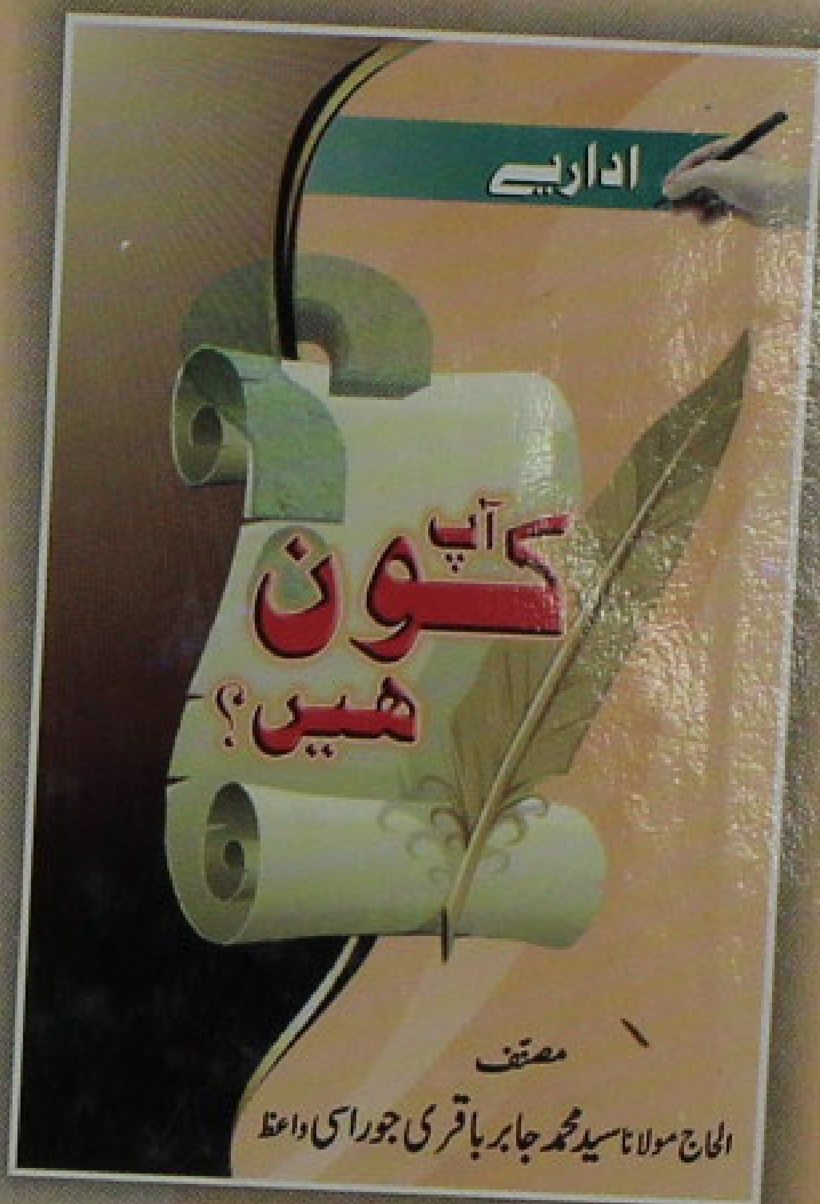
مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳۔ یو۔ پی۔ انڈیا

فون نمبر: 0522-4077872 09415465237

ای میل: mahnamaislah@gmail.com

islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in



IDARA-E-ISLAH

Masjid Diwan Nasir Ali, Murtaza Husain Road
Yahiyahganj, Lucknow - 226003, (U.P.) INDIA
www.islah.in, E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

کیا آپ مومن ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ، جولائی ۲۰۰۱ء)

اگر مومن ہیں تو آپ اپنے فانی اختیارات پر اترائیں گے نہیں اگر آپ کو کسی کا پتہ کاٹنے میں لطف آتا ہے، کسی کو نقصان پہنچانے میں مزہ ملتا ہے، کسی کو ذلیل کرنے میں خوشی حاصل ہوتی ہے، تو آپ صحتمند نہیں نفسیاتی مریض ہیں آپ خود کو قابل احترام سمجھتے ہیں اور دوسروں کو کمتر ذلیل جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خداوند عالم نے تین احترام فرض کئے ہیں، جو ان کی حرمت کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دین ودنیا کی حفاظت فرمائے گا۔ اور جو انہیں چھوڑ دے گا اللہ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرمائے گا":

۱۔ اسلام کا احترام ۲۔ میرا احترام

۳۔ میری عترت کا احترام (خصال)

تعلیمات اسلام کا کتنا احترام کیا؟ اس کے احکام سے منہ موڑا اس کے حلال وحرام میں خرد برد کی اپنی آزاد طبیعت کے چلتن اسے سر بازار رسوا کیا۔ رسولؐ کا احترام یہ کیا کہ اگر وہ خُلق عظیم پر فائز تھے تو آپ بد اخلاقی میں فرد فرید بن گئے اگر وہ حسن اخلاق وانکساری کا نمونہ تھے تو تکبر وخود پسندی کو آپ

نے وطیرہ بنالیا۔عترت کا احترام تو عیاں ہے ان کی باتوں کو ان کی سیرت کو ان کے ارشادات کو بالکل قابل اعتنا نہ سمجھا۔ پھر آپ کے دین و دنیا کی حفاظت کی ذمہ داری خدا کیسے لے سکتا ہے۔؟

ایمان کی علامتیں تو حضرات مقدادؓ وابوذرؓ وسلمانؓ تھے جنہیں ۸۔۹۔۱۰ درجے کے ایمان پر فائز ہونے کا شرف ملا تھا مقدادؓ جن کے زہد کے چرچے مدینہ کے گلی کوچے میں عام تھے۔ ابوذرؓ جنہوں نے حکّام وقت کی کاسہ لیسی نہیں کی بلکہ ان کی ناانصافیوں اور تقسیم مال میں ان کی بے راہ روی کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ سلمانؓ جو مداین کے گورنر بھی بنے تو جسم کے اوپر لباس کے علاوہ ان کا سرمایہ صرف ایک عصا ایک چادر اور ایک لوٹا تھا۔ ہم اگر اپنے نفسوں کو ان بلند حضرات کے نفسوں کی سطح تک نہیں لے جاسکتے تو کم از کم اپنے نفس کی سرکشی کو قابو میں تو رکھ سکتے ہیں۔ وہ نفس کی سرکشی جس نے ہم سے نعمات الٰہی پر شکر اور مصائب پر صبر کی دولت چھین لی ہے۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

''ایمان کے دو حصے ہیں۔نصف اس کا صبر اور نصف اس کا شکر ہے''۔

(جامع الاخبار)

ہمارا سرکش نفس وہ ہے کہ جب نعمتیں ملتی ہیں تو وہ بے پروا ہو جاتا ہے اور جب مصائب پڑتے ہیں تو بغاوت و سرکشی پر اتر آتا ہے۔ یہ نفس کی بغاوت ہی ہے کہ انسان تکبر و خود پسندی میں گرفتار رہتا ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بہت بلیغ بات ارشاد فرمائی ہے:

''تکبر و خود پسندی کے مراتب میں ایک مرتبہ یہ ہے کہ خود پسند افراد کی نظروں میں ان کے برے اعمال بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں لہذا برے اعمال کو یہ لوگ عزیز رکھتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ انہوں نے بڑے اچھے کام انجام دیئے ہیں۔'' (وسائل الشیعہ جلد ۱)

اگر آپ کو ایمان عزیز ہے تو پختہ عقیدہ کے ساتھ عملی میدان میں سرگرمی دکھایئے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے:

''ایمان دل سے معرفت الٰہی اور اعضا و جوارح سے عمل انجام دینے کا نام ہے۔ (جامع الاخبار)

اس روشنی میں آپ کا طریقۂ کار یہ ہونا چاہئے کہ اپنے عقیدے کو پختہ کیجئے۔ ایمان کو مستحکم بنایئے اور اپنے اعضاء و جوارح کو آئین اسلام کے حدود میں سرگرم رکھئے اور امیر المومنینؑ کے اس ارشاد کی شبیہہ بنئے:

مومن کی چار علامتیں ہیں: ۱۔ مریض کی طرح کھاتا ہو۔ ۲۔ مجبور کی نیند سوتا ہو۔ ۳۔ زن پسر مردہ کی طرح روتا ہو۔ ۴۔ اور اس کی مسرت کم مدت کی ہو۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا:

''دنیا میں مومن صادق القول ہوتا ہے۔ دوسرے کی رعایت کرتا ہے۔ حدود شرع کی حفاظت کرتا ہے، علم کا ظرف ہوتا ہے، پختہ و کامل عقل والا، مرکز کرم ہے، عقل سلیم کا مالک ہوتا ہے، راہ خدا میں خرچ کرنے میں اس کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں۔ وہ راہ خدا میں مال خرچ کرتا ہے، اس کے احسان کا باب ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اس کی زبان میں نرمی ہوتی ہے، بات ہمیشہ مسکرا کر کرتا ہے۔ خیال آخرت میں

ہمیشہ غمگین رہتا ہے، اعمال خیر کے لئے ہمیشہ فکرمند رہتا ہے، سامان دنیا اس کے پاس کم ہوتا ہے، وہ ہنستا کم ہے طبیعت کا پاک و صاف ہوتا ہے۔ طمع و خواہش کو مارنے والا ہوتا ہے۔ مہمان سے محبت کرتا ہے، یتیم کا اکرام کرتا ہے، چھوٹے پر مہربانی کرتا ہے، بڑے سے نرمی سے پیش آتا ہے، سائل کو عطا کرتا ہے، مریض کی عیادت کرتا ہے، جنازہ کی مشایعت کرتا ہے، حرمت قرآن کو پہچانتا ہے، اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، اپنے گناہوں پر روتا ہے، نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے، برائی کرنے سے روکتا ہے، جب بھوک لگے تب کھاتا ہے، جب پیاسا ہو تب پانی پیتا ہے، اس کی حرکت ادب کے ساتھ ہوتی ہے، اور کلام نصیحت کے ساتھ ہوتا ہے اس کا موعظہ نرمی لئے ہوتا ہے، وہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا، اور اللہ ہی سے رجوع کرتا، بجز حمد الٰہی اس کا اور کوئی کام نہیں ہوتا، نہ وہ سستی کرتا ہے نہ تکبر نہ مال دنیا پر فخر کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے عیب شمار کرنے میں لگا رہتا ہے دوسروں کے عیوب سے بے خبر ہوتا ہے، نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک، روزہ اس کا محبوب ہوتا ہے، سچائی اس کی عادت اور شکر اس کا مشغلہ ہوتا ہے۔ دنیا اس کے نزدیک شراب فروش کی دوکان جیسی ہے، عقل اس کی رہنما اور تقویٰ اس کا توشہ ہے، جنت اس کی جائے پناہ۔ قرآن اس کی گفتگو اور محمدؐ کے اس شفیع ہوتے ہیں۔ اور ذکر الٰہی اس کا مونس ہوتا ہے''۔

❀❀❀

مسلم کون؟

(ماہنامہ اصلاح، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ، اگست ۲۰۰۱ء)

تمام احکام خدا اور رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کرنیوالا مومن کون؟ منجانب اللہ نازل ہونے والی تمام باتوں اور اسکی جانب سے متعین افراد پر ایمان لانے والا۔ مومن چون وچرا سے کام نہیں لیتا۔ حیلہ حوالہ کو جا نہیں دیتا، آنا کانی نہیں کرتا، جن پر ایمان لے آیا ان کی باتوں کو گلے سے لگاتا ہے۔ تقاضائے بشریت کے تحت جو غلطیاں اس سے سرزد ہو جائیں ان پر نادم ہوتا ہے جسور نہیں ہوتا۔ مومن صاف دل اور پاک باطن ہوتا ہے۔

عام اصطلاح میں مومن سادہ لوح بالفاظ دیگر بے وقوف ہوتا ہے اس سے یہی توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ہر بات کی ان دیکھی کرتا رہے کچھ کہے نہیں کچھ سوچے نہیں یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله''۔ (سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، ح ۳۰۵۲)

''مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے''۔

قال امیر المومنین علیہ السلام: ''المومن هو الكيّس الفطن''

(اصول کافی، ج ۲، کتاب ایمان وکفر، باب مومن ونشانہ ھا وصفات او؛ بحار ج ۶۷، ص ۳۶۱)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: المومن کیّس الفطن الحذر۔

(دعوات راوندی، ص ٣٩)

مومن چالاک و ہوشیار ہوتا ہے، عقل والا ہوتا ہے حالات کے نشیب وفراز پر نظر رکھتا ہے، بروقت بولتا ہے اور برمحل خاموش رہتا ہے۔ نہ مومن وہ ہے جو حق گوئی کے نام پر بے موقع راگ الاپنے لگے اور نہ ہی مومن وہ ہے جو اس وقت بھی خاموش رہے جب دفع فساد کے لئے اس کا بولنا واجب ہو، کذب و فساد، دغل و دھوکہ، عیاری و مکاری سے مومن کوسوں دور رہتا ہے۔ مومن اپنی فکر کو نبی اور اپنی خواہشات کو امام کا درجہ نہیں دیتا بلکہ مطیع رسولؐ اور پیرو امامؑ ہوتا ہے۔

آپ اگر اہل ایمان میں سے ہیں تو ریا کاری کے زیر سایہ پنپنے والی شیریں دہنی چھوڑیئے اور بد خلقی کا پانی پیئے ہوئے دریدہ دہنی سے بچئے۔ اپنے کو تمنائے دین کا پابند بنائیے دین کو اپنے خواہشات کا اسیر بنانے کی کوشش نہ کیجئے، ایک ادنیٰ سی مثال لیجئے اگر کوئی کسی بے ریش سے کہے داڑھی رکھئے حکم شریعت ہے اسے نہ منڈایئے، تو بیشتر کا برجستہ جواب ہوگا: قرآن میں داڑھی رکھنے کا حکم کہاں ہے دکھایئے؟۔ قرآن میں تو داڑھی مونڈنے کی ممانعت کہیں نہیں ہے گویا انہیں قرآن اور اس کی تفسیر پر پورا عبور حاصل ہے یہ بات وہ کہتے ہیں جو ''حسبنا کتاب اللہ'' (ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے) کے اعلانیہ کو درست نہیں مانتے مگر اس جیسے مسائل میں اسی اعلان پر ایمان لاتے ہیں ایک صاحب دور کی کوڑی لائے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے مونڈنا نہیں جبکہ میں داڑھی مونڈتا ہوں۔ منڈواتا نہیں لہٰذا حرام پر عمل نہیں کرتا۔ ظاہر ہے یہ دھوکہ ہے۔

حبابہ والبیہ سے مروی ہے کہ میں نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو شرطہ خمیس میں دیکھا کہ حضرتؑ کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہے جس میں دو رسیاں تھیں اور آپ اس سے مار ماہی (بغیر سفینے کی مچھلی) وغیرہ بیچنے والوں کو مار رہے تھے۔ اور فرماتے تھے: اے قوم بنی اسرائیل کے مسوخ اور لشکر بنی مروان کے بیچنے والو! یہ دیکھ کر فرات بن احنف کھڑے ہو گئے۔ اور پوچھا کہ بنی مروان کون ہیں؟ فرمایا کہ یہ وہ قوم ہے جو داڑھیاں منڈواتی تھی مونچھوں کو بل دیتی تھی وہ مسخ کر دی گئی۔

عن علی ابن ابی طالب علیہ السلام قال قال رسول اللہ حلق اللحیۃ من المثلۃ و من مثل فعلیہ لعنۃ اللہ۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے داڑھی منڈوانا مثلہ (جسمانی اعضاء و جوارح ناک کان وغیرہ کاٹنا) ہے اور جو شخص مثلہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ (وسائل الشیعہ)

مقصد صرف کوئی داڑھی کا مسئلہ نہیں ہے۔ بات مکر و حیلہ کی ہے اور اس کے تناسب میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے بعض لوگوں کی دھوکہ دہی اور مکاری کی عادت ہی پڑ جاتی ہے ایسے لوگ بہت ہی خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو بے وقوف بنالیا۔ صنف نسواں کا مکر قرآنی حقیقت ہے لہٰذا اگر کوئی مکاری کو مردانہ شان سمجھتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے بلکہ ایسا کرنا بزدلی کی علامت ہے زمانہ ترقی پر ہے اب تو بڑی سے بڑی سازشیں بے نقاب ہو جاتی ہیں پھر بھلا کم درجہ کا دھوکہ و مکر کیا حیثیت رکھتا ہے بعض وقت بلکہ اکثر دلچسپ صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب بہت کچھ جاننے والا مصلحتاً تجاہل سے کام لیتا ہے مروت سے کام لیتا ہے لیکن سازش و فساد کے بیج بونے والوں کو نہ ہوش ہے نہ غیرت۔ ہزار بات کی ایک

بات کہ آپ دین کے مخلص بنئے۔ باطن میں صفائی پیدا کیجئے۔ آپ کا وقار لوگوں میں بلند ہوگا۔ کسی منزل میں تو اس حقیقت پر ایمان لایئے کہ بہت کچھ آپ کے ذہن کی طاقت اور بازوؤں کی قوت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک توفیقات الٰہی کی پشت پناہی نہ حاصل ہو اور توفیق خیر خلوص سے حاصل ہوتی ہے عیاری سے نہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ ''صحیفہ کاملہ'' عبد و معبود کے درمیان راز و نیاز کی جان ہے اس مجموعہ میں دعائے مکارم الاخلاق بھی ہے۔ جس میں امامؑ نے بارگاہ معبود میں اس طرح عرض داشت پیش کی ہے:

وَبَلِّغْ بِإِيمَانِي أَكْمَلَ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْ يَقِينِي أَفْضَلَ الْيَقِينِ، وَانْتَهِ بِنِيَّتِي إِلَى أَحْسَنِ النِّيَّاتِ، وَبِعَمَلِي إِلَى أَحْسَنِ الْأَعْمَالِ، اللَّهُمَّ وَفِّرْ بِلُطْفِكَ نِيَّتِي.

''میرے ایمان کو کامل ترین ایمان کا مرتبہ عطا فرما میرے یقین کو عمدہ ترین یقین اور میری نیت کو بہترین نیت اور میرے اعمال کو بہترین اعمال قرار دے۔ الٰہی اپنے لطف و کرم سے میری نیت کو کامل فرما'' (دعائے مکارم الاخلاق)

گویا اخلاص نیت ایک مہم ترین چیز ہے جو کمال ایمان میں معاون ہے۔ وہ عبد و معبود کا رابطہ ہو یا بندوں کا بندوں سے ربط اخلاص شرط اولین ہے بالخصوص برادران ایمانی میں اخلاص و حسن سلوک کا دور دورہ ہونا چاہئے نہ کہ بداعتمادی و بدسلوکی کا۔ امام سجادؑ نے رسالہ حقوق میں حسن سلوک کے بجائے بدسلوکی کرنے والے کے لئے ارشاد فرمایا ہے:

''اس کا تم پر حق ہے...... کہ اسے معاف کر دو لیکن اگر یہ جانتے ہو کہ وہ

تمہارے معاف کردینے سے مزید جسارت کرے گا تو اسے مناسب سزا دو اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ 'جس شخص پر ظلم کیا گیا ہے اگر وہ ظالم سے بدلہ لے تو یہ کوئی برائی نہیں ہے' سورہ شوریٰ ۴۸ (تحف العقول ابن سبقۃ الحرانی)

لہٰذا ظلم و زیادتی چھل کپٹ چھوڑ کر ایمان کے زمرہ میں شمار ہونے کی سعی و دعا کیجئے۔

❁❁❁

قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ:

المُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلمونَ مِن لِسانِہِ و یَدِہِ۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

المُسلمُ أخو المُسلِم ، لا یَظلِمُہُ و لا یَشتُمُہُ۔

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہوتا ہے کبھی اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کو نا سزا نہیں کہتا۔

المُسلمُ أخو المُسلِمِ ، لا یَخُونُہُ و لا یَکذِبُہُ و لا یَخذُلُہُ.

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔کبھی اس سے خیانت نہیں کرتا، اس سے جھوٹ نہیں بولتا، اس کو تنہا نہیں چھوڑتا۔

المُسلمُ أخو المُسلِمِ ، یَسَعُھُما الماءُ و الشَّجرُ و یَتعاوَنانِ علی الفَتّانِ۔

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔آپس میں پانی و درخت سے استفادہ کرتے ہیں، اور فتنہ انگیز کے مقابلے ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ (میزان الحکمۃ)

کیا آپ برتر ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ، ستمبر ۲۰۰۱ء)

احساس برتری ایک وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے یہ وبا کل بھی تھی لیکن آج کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے یہ احساس برتری کسی معنوی کمال پر نہیں ہوتا ہے بلکہ عارضی اور مادی چیزوں کو انسان وجہ امتیاز بناتا ہے۔ ان پر اکڑتا ہے۔ اتراتا ہے، خود کو باعزّت منوانا چاہتا ہے دوسروں کو کمتر و ذلیل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کسی خاندان کے نام پر کبھی اقتدار کے نام پر کبھی کسی دولت یا ثروت کے نام پر جب قرآنی وجہ امتیاز تقویٰ یعنی خوف خدا نہیں ہوتا جب ہی تو انسان اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے۔ دنیا کی کسی لغت میں یہ امتیاز ہوسکتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح میں یہ ہرگز امتیاز نہیں ہوسکتا اس احساس برتری کا شکار عوام بھی ہوتے ہیں۔ روسا بھی ہوتے ہیں اور جائے حسرت وندامت یہ ہے کہ بعض علماء بھی ہوتے ہیں، زعم علم میں وہ اپنی رائے اپنی فکر اپنی بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ جب کہ قرآن خود رائی کے خلاف ہے وہ مشورت کو اہمیت دیتا ہے۔ اس لئے کہ خود پسندی و خود رائی میں عقل نہیں مشورہ میں عقل پوشیدہ ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

''انسان کا اپنے نفس پر اترانا اس کی عقل کے حریفوں میں سے ایک ہے''۔

(نہج البلاغہ کلمہ ۲۱۲)

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:

''جس نے اپنی رائے پر بھروسہ کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور جس نے دوسروں سے

مشورہ کیا ان کی عقلوں میں شریک ہو گیا۔ (نہج البلاغہ، کلمہ ۱۶)

خود رائی خود پسندی کا نتیجہ ہے اور خود پسندی غرور کی علامت ہے۔ لہٰذا احساس برتری کی لعنت سے بچنا ہے تو دوسروں کی برتری کا اقرار و احساس کیجئے۔ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

''اپنے تکبر کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے والا اپنے عیوب سے ہمیشہ بے خبر ہوتا ہے اگر اس کو دوسروں کی فضیلت و برتری کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نقائص کو دور کر لیتا ہے۔'' (غرر الحکم، ص ۹۵)

اپنی روزمرہ کی روش سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ احساس برتری کی لعنت میں گرفتار ہیں یا نہیں آپ سڑک پر جا رہے ہیں مخالف سمت سے آپ کا کوئی شناسا آتا ہوا مل جاتا ہے دونوں رکتے ہیں بس یہ دیکھ لیجئے کہ آپ سڑک پار کر کے اس سے ملنے میں سبقت کرتے ہیں یا اس کے سڑک پار کر کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔ آپ اس کے تمنائی رہتے ہیں کہ آپ کا کوئی شناسائی یا دوست آپ سے ملنے کے لئے آئے یا آپ کوشش کرتے ہیں کہ اس سے ملنے کے لئے جائیں اپنی انا کو اپنے عمل سے پامال کیجئے۔ اپنے نفس کو ملامت کرتے رہئے۔ آپ احساس برتری کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ آپ انجمن میں بھی خود کو تنہا محسوس کریں گے۔

آپ جو بھی ہوں حضرت خاتم الانبیاءؐ سے برتر نہیں جو حلقۂ فقراء میں اپنی نشست کو قابل فخر جانتے تھے۔ آپ امیر المومنینؑ سے بڑھ کر تو نہیں جو میثمؓ کی دوکان پر بیٹھ کر کھجور کی تجارت میں ہاتھ بٹاتے تھے آپ کو اکلوتی دختر رسولؐ سے زیادہ تو شرف حاصل نہیں جس کی پیوند لگی چادر نے اسلام پھیلا دیا اور جس نے ہمیشہ دوسروں کے حاجات و ضروریات کو اپنے حاجات و ضروریات پر ترجیح دی، اگر آپ صاحب منصب

ہیں تو ختم نبوت سے بڑا کون سا منصب ہے؟ اگر آپ اہل ثروت ہیں تو جناب امیرؑ سے بڑا کون امیر ہے۔ جس کا ایک ہلکا سا اشارہ مٹی کو سونا بنا دے۔ اگر آپ عالی نسب ہیں تو فاطمہؑ بنت محمدؐ سے زیادہ کون عالی نسب ہو گا جو فخر موجودات کی براہ راست اولاد ہیں یہاں تک کہ امیر المومنینؑ رسولؐ کی بیٹی کے شوہر ہیں۔ حسنینؑ رسول کی بیٹی کے فرزند ہیں یہ اور بات ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براہ راست حضرت علی کو خود سے نسبت دی اور حسنینؑ کو براہ راست فرزند کہا مگر پھر بھی براہ راست صلبی اولاد صرف جناب فاطمہ تھیں اور ایسی صاحب شرف کہ خود رسول ایسا باپ ان کی تعظیم فرماتا تھا۔ ایسی بیٹی جتنا ناز کرتی وہ کم تھا۔ مگر ہوتا کیا ہے نہ کوئی غرور نہ تکبر نہ شان، غذا بقدر کفاف بھی نہیں، لباس انتہائی سادہ معمولی اپنے ہاتھ سے جھاڑو دے رہی ہیں، کپڑے دھو رہی ہیں، کھانا پکا رہی ہیں، ہاتھوں میں چھالے پڑ رہے ہیں۔ لیکن نہ آہ و فغاں نہ شکوہ نہ شکایت، معبود سے تو راز و نیاز کی ہر بات بندہ کرتا ہے لیکن بارگاہ ایزدی میں معصومہؑ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں تو لب پر اپنے لئے دعا نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کے لئے دعا ہوتی ہے۔ اپنی بھوک کا خیال نہیں ہوتا دوسروں کی بھوک پیاس کا خیال ہوتا ہے۔

اما حسنؑ سے مروی ہے کہ ایک دن ایک وقت کے بعد ہمیں کھانا نصیب ہوا تھا پدر بزرگوار اور ہم دونوں بھائیوں نے کھانا کھا لیا تھا مادرِ گرامی نے ابھی نہیں کھایا تھا۔ پہلا لقمہ توڑا ہی تھا کہ ایک سائل نے آواز دی۔ رسولؐ کی بیٹی پر سلام ہو میں دو وقت کے فاقہ سے ہوں۔ جناب سیدہؑ نے فوراً ہاتھ روک لیا اور فرمایا جاؤ کھانا سائل کو دے دو میں نے تو صرف ایک وقت نہیں کھایا تھا یہ تو دو وقت کے فاقہ سے ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلاتی ہیں رات رات بھر دوسروں کے لئے دعائیں کرتی ہیں ضرورتمندوں کو لباس دیتی ہیں اور اپنے نفس پر دوسرں کو ترجیح دیکر دنیائے انسانیت کے

لئے نمونۂ عمل بن جاتی ہیں۔ اگر آپ نے اپنے ہی کو سب کچھ سمجھا اپنے ہی مفادات کو ترجیح دی اپنے ہی میں مگن رہے تو دلوں کی گہرائیوں میں اپنی جگہ نہ بنا پائیے گا۔ معاشرے میں تنہا رہ جائیے گا۔ احساس برتری کے گھروندے سے نکلئے اپنے نفس امارہ کو ملامت کیجئے دوسروں کو برتر سمجھئے تو پھر واقعاً آپ برتر ہیں، منفرد ہیں، ممتاز ہیں۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: ''لوگو! امواج فتنہ وفساد کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر نکال لے جاؤ، تفرقہ وانتشار کی راہوں سے اپنا منہ موڑ لو، فخر ومباہات کے تاج اتار پھینکو (نہج البلاغہ خطبہ ۵۔)

❁❁❁

الامام علی علیہ السلام: ''شَرُّ النَّاسِ مَن کَانَ مُتَتَبِّعاً لِعُیوبِ النَّاسِ عَمیاً لِمَعایِبِہِ''. (میزان الحکمۃ)

بدترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے عیب کی تلاش میں تو رہے لیکن اپنے عیوب سے غافل ہو۔

الامام باقر علیہ السلام: ''یَجِبُ لِلمُؤمِنِ عَلَی المُؤمِنِ اَن یَستُرَ عَلَیہِ سَبعِینَ کَبِیرَۃً. (میزان الحکمۃ)

مومن کے سلسلے میں مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے ستر گناہان کبیرہ کو چھپائے۔

❁❁❁

آپ محب علی علیہ السلام ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، رجب المرجب ۱۴۲۲ھ، اکتوبر ۲۰۰۱ء)

شیعہ علیؑ ہونا یہ تو بہت بڑی بات ہے اس کی لازمی شرط نقش قدم پر چلنا اور پیروی ہے لہٰذا اس لفظ کے حقیقی مصداق تو حضرات سلیمان وابوذر ومقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے تھے۔ ہمارا شمار محبان علیؑ میں ہو جائے یہ بھی کوئی کم شرف نہیں ہے۔

حب علیؑ کا حسنہ جسے حاصل ہو گیا وہ بہت بڑی دولت کا مالک بن گیا۔

حبرامت حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: قسم اللہ کی جس نے مجھے رسولؐ بنا کر بھیجا وہ اپنے کسی بندے سے حسنہ اور نیک اعمال قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے بندے سے علی ابن ابی طالبؑ کی محبت و دوستی کے بارے میں سوال نہ کرلے۔

(بحارالانوار جلد ۲۷ / صفحہ ۳۱۱)

حسنات تمام نیک اعمال ہیں مگر مخصوص ''حسنہ'' کیا ہے؟ خود امیر المومنینؑ نے سورہ نمل کی آیت نمبر ۸۹ و ۹۰ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ/ ''حسنہ'' جو عذاب قیامت سے امن کا سبب بنے گا وہ ہم اہلبیتؑ رسولؐ کی محبت ہے اور ''سیئہ'' جو دوزخ کی آگ میں جھونک دینے کا موجب ہو گا وہ

ہم خاندان رسالتؐ سے بغض و کینہ ہے (محاسن، باب الحب صفحہ ۱۵۰)

محبت علیؑ اپنایئے اور آخرت کے بلند درجات حاصل کیجئے اور بغض علیؑ سے پناہ مانگئے۔ کہ یہ آخرت کو برباد کردینے والی لعنت ہے۔ حب علیؑ ایک زینہ ہے جو مرد مومن کو شیعہ علیؑ بننے کے اعلیٰ شرف تک لے جانے کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کے سایہ میں بہتر سے بہتر بننے کی کوشش میں کمی نہ آنا چاہئے۔ صحابی رسولؐ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسولؐ اکرم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

ترجمہ/تم پر علیؑ ابن ابی طالبؑ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ تمہارے مولاؑ ہیں ان سے محبت و دوستی رکھو وہ روحانی و معنوی حیثیت سے تم سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں ان کی پیروی کرو وہ تم میں سب سے بڑے عالم ہیں ان کی تکریم کرو وہ بہشت کی طرف لے جانے میں تمہارے قائد ہیں۔ ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھو۔ جب وہ تمہیں آواز دیں تو اس پر لبیک کہو۔ جب وہ تم کو کسی بات کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کرو۔ دیکھو اگر تم مجھ سے محبت کرنے کے دعویدار ہو تو علیؑ ابن ابی طالبؑ سے بھی محبت اختیار کرو اور اگر میری عزت کرنا واجب سمجھتے ہو تو علیؑ کی محبت کو واجب جانو اس لئے کہ علیؑ میرا محبوب ہے۔ میں خود علیؑ کی بزرگی کے سبب ان کی عزت و تکریم کرتا ہوں اور دیکھو میں نے علیؑ کی عظمت و شخصیت کے بارے میں اپنی مرضی سے ایک بات بھی نہیں کہی ہے سوائے اس کے جس کا مجھے اس بارے میں میرے رب نے حکم دیا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)

سوچئے بار بار سوچئے یہ حضرت خاتم الانبیاء کا حضرت علیؑ اور دیگر اہل بیتؑ

اظہار سے محبت کرنے پر اتنا زور کیوں ہے۔ یہ اللہ اور اس کا محبوب رسولؐ کیا چاہتا ہے؟ حکمت عملی کیا ہے؟ یہی نا کہ اہلبیتؑ سے بہتر کوئی خانوادہ نہیں علیؑ اور اولاد علیؑ سے بہتر ایسے افراد نہیں جنہوں نے اطاعت پروردگار کا حق ادا کیا ہو۔ انہوں نے قوانین اسلام کو اس طرح گلے لگایا ہے کہ اگر اسلام کو مجسم کر کے دیکھئے تو بس یہی نظر آئیں۔ اور بعد رسولؐ بس حضرت علیؑ ہی تو ہیں جو اس جماعت عصمت و طہارت کے سرخیل ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے: ان کے سلسلے میں تہی دامن نہ رہیں گے۔

سچی محبت قربانی دیتی ہے سودے بازی نہیں کرتی۔ عاشق علیؑ کی محبت کوئی زلیخا جیسی محبت نہیں ہوتی کہ جو اپنے محبوب پر نا کردہ گناہ کا الزام رکھ کر اسے رسوا کرنے پر تل جائے۔ آیئے ہم غور کر کے فیصلہ کریں کہ ہمیں دنیا کو کیا پیغام دینا ہے آیا یہ کہ محب علیؑ بنو، غلطیوں پر غلطیاں کرو گناہوں پر اصرار کرو نافرمانئ خدا اور رسولؐ کرو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یا یہ پیغام دینا ہے کہ لغزشیں ہوگئی ہیں تو گھبراؤ نہیں رحمت خدا سے مایوس نہ ہو۔ محبت علیؑ کے نور سے دل کو معمور کرنے کے بعد اللہ سے توبہ کرو۔ ان کے وسیلہ سے معافی مانگو، گناہ بھی معاف ہوں گے اور محبت چونکہ آثار محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے لہذا پیروی علیؑ کا جذبہ جوان ہوگا۔ جو کشاں کشاں اطاعت پروردگار کی منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ اگر آپ میں فراست مومن ہے تو ان دونوں پیغامات میں سے جو بہتر ہو اس کا انتخاب کرلیں۔ محبت و غیرت ایمانی کا تقاضا کیا ہے؟ ہم ان سے جو چاہتے ہوں وہ حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہیں۔ یا وہ جو ہم سے چاہتے ہوں اسے مہیا کرنے

کی کوشش کریں؟۔محبت وغیرت وحیا کا تقاضا تو یہی ہے کہ چاہنے والا ان کے آزردہ خاطر ہونے کا سبب نہ بنے بلکہ ان کے فخر وانبساط کا موجب بنے۔ابن بابویہ قمیؒ نے امالی میں امام جعفر صادقؑ کے آبائے طاہرین کے توسط سے مروی یہ حدیث پیغمبرؐ نقل کی ہے:

ترجمہ/ ’’اسلام عریاں ہے۔اس کا لباس حیا، زیور وقار، جوانمردی اعمال صالحہ، اور ستون پرہیزگاری ہے۔ ہر شے کے لئے ایک بنیاد ہوتی ہے۔اور اسلام کی بنیاد اہلبیتؑ کی محبت ہے‘‘

❁❁❁

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم:

عنوانُ صحیفةِ المؤمنِ حبُّ عليٍّ بنِ ابی طالب

مومن کے صحیفہ کا عنوان، علی ابن ابی طالب کی محبت ہے۔

{الغدیر جلد 1 صفحہ 12}

قالت فاطمة الزهرا سلام الله علیها:

انّ السعیدَ، کلّ السعیدِ، حقَّ السعیدِ مَنْ أحبَّ علیاً فی حیاتِه وبعد موته۔

یقینا کامیاب شخص، مکمل طور پر کامیاب اور جسے کامیابی حق ہے صرف وہی ہے جو علیؑ سے ان کی زندگی وموت کے بعد محبت کرتا ہے۔

(مجمع الزوائد، علامہ ہیثمی، ج ۹، ص ۱۳۲)

❁❁❁

کیا آپ منتظرین میں سے ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، نومبر ۲۰۰۱ء)

نجات دہندہ کائنات حجت خدا، وارث خاتم الانبیاء فرزند زہراؑ، دلبند مرتضیٰ حضرت قائم آل عباؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور پر نور کا انتظار ایک عظیم وجد آفریں عبادت ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "افضل اعمال امتی انتظار الفرج من اللہ عز و جل" میری امت کا بہترین عمل اللہ عز و جل کی طرف سے کشادگی (ظہور حضرت حجتؑ) کا انتظار ہے۔

ہمارے نبیؐ کا یہ ارشاد بدلتے ہوئے عالمی حالات میں روشن سے روشن تر ہوجاتا ہے دنیا پر عالمی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، زیادتی ناانصافی ظلم وستم دہشت گردی وتشدد کی پیہم ضربوں سے انسانیت کراہ رہی ہے۔ کسی کو کچھ طاقت ملی اور وہ وحشی درندہ بن گیا۔ اس درندگی کا شکار ہونے والوں میں کسی مغلوب الغضب پاگل نے موقع پاکر ہزاروں بے گناہوں کو مار ڈالا۔ فرعون صفتوں نے ارض الٰہی کو میدان جنگ میں تبدیل کرنے کی جسارت میں تامل نہ کیا۔ آپ کو کہیں بھی عدل و انصاف واقعی انسانیت کا درد نہ ملے گا۔ پھر کیا عالمی مسائل کا حل کہیں نظر آتا ہے۔ کوئی امید بندھتی ہے؟ نہیں بلکہ مایوسی کے بادل مہیب تر ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی امید کی کرن ہے تو بس وہی وجود ذیجود ہے جس کے ظہور پرنور پر

امن وامان عالم کا دار و مدار ہے۔

خطرناک اندیشوں سے اگر آپ اپنے سینوں میں گھٹن محسوس کرتے ہیں تو شمع انتظار کی لو تیز کیجئے۔ اور سچے منتظر بنئے۔ اس کیلئے اپنے ظاہر و باطن کا جائزہ لیجئے۔ آپ کا ظاہر کتنا پر فریب ہے؟ آپ کے باطن پر کتنے پردے پڑے ہوئے ہیں؟ لیکن کیا یہ پردے نگاہ قدرت سے حقیقتوں کو چھپانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور کیا جس خانوادہ کو قدرت نے علم غیب عطا فرمایا ہے اس کی آخری فرد کی نگاہوں سے بھی آپ اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔؟ پھر کیا بات ہے کہیں خدانخواستہ ایسا تو نہیں کہ زبان سے آپ انتظار کی باتیں کرتے ہیں اور عملی دنیا میں اپنی حقیقت کو بھی پردے میں رکھنا چاہتے ہیں اور اس نجات دہندہ کائنات کو بھی ابھی پردہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ جو دنیا کو رشک جنت بنانے والا ہے۔

اگر اس نجات دہندہ کا واقعی انتظار ہے تو آپ نے خود کو آلائش دنیا کا اتنا شکار کیوں بنا رکھا ہے یہ منتظرین کی شان کے قطعاً منافی ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ وہ آئیں گے تو دین اسلام کو تمام ادیان عالم پر برتری حاصل ہوگی اس دین سے وفاداری کا جذبہ اگر آپ کے دل میں ہے آپ رات دن ضرور لذت آگیں کرب انتظار کو جھیل رہے ہوں اور اس امتحانی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوں گے۔ پھر آپ کے چہرے اسلامی علامت سے عاری کیوں ہیں؟ وہ آئیں گے تو کیا آپ کرشماتی طور پر چشم زدن میں باریش ہو جائیں گے؟ اگر آپ اپنے دین کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آپ میں دینی حمیت کتنی ہے؟ اور دینی حمیت تو بعد کی بات ہے آپ میں غیرت کا جذبہ ہے بھی یا دم توڑ چکا ہے؟ نبیؑ خدا حضرت

ایوبؑ نے سارے مصائب برداشت کر لئے تھے لیکن اپنے ناموس کے بالوں کو نامحرم کی دسترس میں جانے کو گوارہ نہ کر سکے تھے؟ اور ایک آپ ایسے باغیرت ہیں جو کنیزان فاطمہؑ کہلاتی ہیں ان کے مغربی طرز پر سجائے سنوارے اور تراشے بالوں کی نمائش عام پر آپ کی رگ حمیت بالکل نہیں پھڑکتی۔ پھر سوچئے آپ فرزند زہراؑ کو کیا جواب دیں گے فرزند فاطمہؑ کا کیسے سامنا کریں گے؟ نتیجہ یہ تو نکلا کہ آپ منتظرین کی صف میں کھڑا ہونا نہیں چاہتے جسے اپنی ناموس کا خیال نہ ہوا سے اپنے دین کا کیا خیال ہوگا۔ ''وائے برحال ما''۔

ابن بابویہ قمی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کے بموجب پیغمبرؐ اسلام نے شب معراج امت کی دس قسم کی عورتوں کو شدید عذاب میں مبتلا دیکھا سخت رنجیدہ ہوئے اور اپنی قابل فخر بیٹی سے اسباب بیان کئے منجملہ ان کے یہ بھی تھے:

''جسے سر کے بالوں سے لٹکایا گیا تھا اور دوزخ کی آگ سے اس کا بھیجا پگھل رہا تھا وہ اپنے بالوں کو نامحرموں سے نہیں چھپاتی تھی۔ جو عورت اندھی، گونگی، بہری تھی جسے آگ کے تابوت میں لٹکایا گیا تھا اور جس کا بھیجا پگھل کر ناک سے بہہ رہا تھا وہ اپنے شوہر سے خیانت کرتی تھی۔ جو عورت اپنے بدن کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہی تھی اور دوزخ کی آگ اس کے نیچے بھڑک رہی تھی وہ نامحرم مردوں کے لئے آرائش کرتی تھی''

یہ ٹھیک ہے کہ بڑی طاقتوں نے دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ حالات کا تقاضہ ہے کہ معبود امامؑ کو جلد اذن ظہور دے لیکن بے غیرت مسلمانوں نے خود اپنی ناموس کے ذریعہ جو نام نہاد جنت سجا رکھی ہے کہیں وہ غیور امامؑ کے

آنے میں تاخیر کا سبب تو نہیں۔ امامؑ کے اس معنی خیز جملہ کا تجزیہ کیجئے کہ ''ہمارے ظہور میں تاخیر ہمارے چاہنے والوں کے سبب سے ہے'' اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے کہ ہمہ جہت بے راہ روی کے ساتھ کیا ہمارا شمار منتظرین حضرت قائم آل محمد عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میں ہوسکتا ہے؟۔

❀❀❀

امام زین العابدین علیہ السلام

''من ثبت علی ولایتنا فی غیبة قائمنا، اعطاه الله أجر الف شهید مثل شهداء بدر و احد''

جو ہمارے قائم کی غیبت کے زمانے میں ہماری ولایت پر ثابت قدم رہے تو خداوند عالم اسے بدر و احد کے شہدا کے مثل ہزار شہیدوں کا اجر عطا کرے گا۔

(کشف الغمہ، ج3، ص312.)

امام جعفر صادق علیہ السلام

المنتظر للثانی عشر کالشاهر سیفه بین یدی رسول الله صلی الله علیه و آله یذب عنه

بارہویں امام کا انتظار کرنے والا اس شخص کی طرح ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوکر آپ کے دفاع میں تلوار چلائے۔ (غیبت نعمانی، ص41.)

❀❀❀

کیا آپ مبلغ ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ، دسمبر ۲۰۰۱ء)

تبلیغ یعنی لوگوں کو اچھائیوں کی دعوت دینا اور انہیں برائیوں سے روکنا یہ کار انبیاءؑ ہے۔ یہ ایک فریضہ ہے یہ معاشرے کی ایک اہم ترین ضرورت ہے لیکن اس کا انداز کیا ہو؟ اس کا طریقہ کیا ہو؟ کہ تبلیغ موثر ہو۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ادۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلۡهُم بِالَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ ۚ (سورۃ النحل ۱۲۵)

راہ الٰہی کی طرف حکمت اور اچھے موعظہ کے ذریعہ دعوت دو اور لوگوں سے جدال بھی کرو اچھے انداز سے۔

یوں تو تبلیغ و موعظت کے لئے کسی مخصوص زمانے کی نشاندہی نہیں ہے لیکن روزہ، نماز، تلاوت قرآن کی بہار کے سبب ماہ صیام اس کے لئے بہترین موسم ہے وہ مہینہ جس میں روزہ دار اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور رحمت الٰہی اپنے بندوں کا احاطہ کئے رہتی ہے سوال یہ اٹھتا ہے کہ ماہ صیام ہو یا دیگر زمانہ کیا ہم واقعی موعظت و تبلیغ کا حق ادا کرتے ہیں؟ یا پھر ہم حکمت و موعظہ حسنہ کو بالائے طاق رکھ کر اپنی برتری کے اظہار کے لئے یہ پیشہ اختیار کرتے ہیں کہ جو فتنہ و فساد کی منزل تک لے جانے والا ہو۔

نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے تو نیم ملا خطرہ ایمان! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دینی فریضہ ہے۔ مگر دونوں میں دو لفظوں، (۱) معروف (۲) منکر پر توجہ دیجئے انہیں باتوں کا حکم دیا جائے گا جو معروف وشناختہ شدہ ہوں۔ قطعی ہوں ایجاد بندہ کو معروفات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ یہی معاملہ منکرات کا ہے آپ کو کسی مباح سے الرجی پیدا ہوگئی اور آپ نے اس کو خلاف شرع قرار دے کر مہم شروع کر دی تو یہ صریحی دین میں مداخلت ہے۔ کسی نیت پر بغیر سوچے سمجھے شبہ درست نہیں لیکن طریقہ کار کا تو جائزہ لیا ہی جاسکتا ہے۔ زندہ مثال میرے پیش نظر ہے۔ قوم میں اصلاح ہو یہ جذبہ رکھنے والے ایک بزرگ نے مسئلہ کے سیاق وسباق اور حدود کو احاطہ میں لانے والے علم کے بغیر یہ تحریر فرما دیا کہ ''جمع بین الصلاتین'' کو افتراق بین المسلمین کے لئے انگریز کی شیطنت نے رائج کیا ہے جبکہ یہ عمل صریحاً سنت رسولؐ کی روشنی میں ہے۔ راہ تبلیغ میں اس جسارت کو نہی عن المنکر کے فریضہ کا نام تو نہیں دیا جاسکتا۔

بعض حضرات کے پیش نظر یہ ہے کہ جب امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر فرد مسلم کا فریضہ ہے تو تحریر وتقریر کے ذریعہ بطور مہم اس نہج پر کام کیوں نہ کیا جائے؟ ہر فرد کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی پہنچ اور ماحول میں لوگوں کو معروفات کی جانب متوجہ کرتا رہے اور منکرات سے منع کرتا رہے۔ بطور مہم جو اس کام کو انجام دیں وہ بھی وہی افراد ہوں جو اپنے علم وتبحر وتقویٰ کی وجہ سے اس کے اہل ہوں ورنہ معاشرہ بجائے اصلاح پذیر ہونے کے انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے حد متعین کر دی ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ
مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

(ترجمہ) مومنوں کے لئے یہ نامناسب ہے کہ وہ سب کے سب نکل پڑیں پس ان کے ہر گروہ میں سے چند افراد کیوں نہیں نکلتے تاکہ وہ علم دین حاصل کریں اور جب وہ اپنے اہل قوم کی طرف پلٹیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (برائیوں سے) پرہیز کریں (سورہ توبہ ۱۲۲)

آپ اگر اہل ہیں تو ضرور تبلیغ کی مہم چلائیں۔ اسے پیشہ نہ بنائیں فریضہ قرار دیں۔ روز حساب آنے سے پہلے خود اپنا احتساب کرلیں لوگوں کو راہ صواب بتانے سے پہلے خود اپنی روش کا جائزہ لے لیں کہ آپ کا اخلاق آپ کے اعمال غیر اسلامی تو نہیں۔ رات کو جب آپ بستر پر لیٹیے تو خود احتسابی کی فضاؤں میں جائزہ لیجیے کہ قوم میں پھیلی برائیوں پر آپ کیسا محسوس کرتے ہیں۔ آپ کا دماغ غصہ سے کھولنے لگتا ہے یا دل میں درد اٹھتا ہے؟ اگر آپ غصہ سے برہم ہو جاتے ہیں۔ چڑھ دوڑنے اور کاٹ کھانے کا دل چاہتا ہے تو آپ خود مریض ہیں پہلے خود اپنا مناسب روحانی علاج کیجیے پھر میدان تبلیغ میں اتریئے۔ اس کے برعکس اگر واقعی آپ دین کے وفادار ہیں قوم کی اصلاح کا آپ میں جذبہ ہے۔ قوم کی بے راہ روی کا آپ کے سینے میں درد ہے تو جب آپ بستر پر لیٹیں گے اور سوچیں گے تو آنکھیں نمناک ہو جائیں گی دل میں ہوک اٹھے گی۔ جگر بریاں ہوگا چین کی نیند نہ آئے گی اور شب کے پچھلے پہر آپ اٹھ کر نماز تہجد کے ذریعہ اپنے معبود سے قرب

بھی حاصل کریں گے۔اور اصلاح قوم کیلئے بارگاہ ایزدی میں رورو کر گڑ گڑا کر دعا مانگیں گے اس عالم میں جب آپ صبح کریں گے تو تمام آلائشوں سے پاک جذبہ سینہ میں موجزن ہوگا۔ پھر اصلاح امور مسلمین کے لئے جو مثبت قدم اٹھائیں گے وہ افراط وتفریط سے آزاد تعلیم اسلام روح ایمان سے مالا مال ہوگا۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا لیکن ان میں صرف چند مومنین ہیں اور اکثریت فاسق ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰)

آپ کون ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح، جنوری، فروری ۲۰۰۲ء، شوال، ذیقعد ۱۴۲۲ھ)

وہ تبلیغ کا سنگین مرحلہ ہو یا عمل کی دنیا یا عام معاشرتی ماحول، جہاں انسان نے افراط وتفریط سے کام لیا مسائل پیدا ہوجاتے ہیں عدم اطمینان کی فضا بنتی ہے بے چینیاں سر ابھارتی ہیں انبیاء ورسل منجانب اللہ تبلیغ پر مامور تھے قرآن مجید نے واضح الفاظ میں ان کے فرض منصبی کی وضاحت فرمادی ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ...

ترجمہ/ ہم نے یقینا اپنے رسولوں کو روشن دلائل اور کتاب ومیزان کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدالت کا نفاذ کریں (سورہ حدید ۲۶)

بقول امیر المومنین علیہ السلام:

ترجمہ/......پس عدالت ہی میں آسانیاں ہیں جس پر عدالت سخت ودشوار ہوگی تو پھر ظلم وجور تو اس پر دشوار تر ہوجائے گا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۵)

عدم عدالت کی ہی کوکھ سے ظلم وجور جنم لیتا ہے دنیا میں کون ہے جو اپنے حق میں انصاف نہیں چاہتا۔ اگر انصاف چاہتے ہیں تو انصاف کیجئے بھی۔ ورنہ آپ کی بات میں آپ کے مطالبات میں کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔ آپ نے خود اپنی ذات سے انصاف نہیں کیا اپنے معبود سے انصاف نہیں کیا۔ اپنے دینی رہنماؤں

سے انصاف نہیں کیا۔ اپنے دین سے انصاف نہیں کیا اور پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے۔ یہ معقولیت نہیں ہے۔

قرآن مجید کا اعلان ہے:

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

''جس نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی کی تو اس کا (بہتر) نتیجہ وہ دیکھے گا، اور جس نے ایک ذرہ برابر بھی برائی کی تو اس (کے خمیازہ) سے اس کی آنکھیں دوچار ہوں گی۔ (سورۃ الزلزال ۷-۸)

دیوناگری ضرب المثل ہے۔ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

آخرت میں جو ہوگا وہ ہوگا لیکن دنیا میں بھی ''مکافات عمل'' کے نظارے اجنبی نہیں! ولو کوئی حساس اس کو محسوس کر لے یا کوئی بے حس اس پر متوجہ نہ ہو، یہ انسان کا مزاج بن چکا ہے کہ ہم نے کیا کیا، ہم کیا کر رہے ہیں، اس کو بھول جاؤ یہ دیکھو دوسرا کیا کر رہا ہے اور پھر اس کی اچھی طرح خبر لو۔ انجام کار بات یہاں تک پہنچی ہے کہ اپنی ناجائز اور نامناسب باتوں کو تو وہ تاویلات کا مصنوعی لباس پہناتا ہے اور دوسروں کی جائز باتوں پر بھی وہ شدید ناگواری کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا کرنا دراصل ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ ہم اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے دوسروں پر شدید حملے شروع کر دیتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم میں تو کوئی قابل ذکر برائی نہیں دوسرا برا اور بہت برا ہے جب کہ اگر سنجیدگی سے اپنے ماضی اور حال کا جائزہ لے لیا جائے تو یہ غیر منصفانہ صورتحال نہ پیش آئے۔ ندامت سے اعتراف گناہ،

گناہ کے نصف وزن کو کم کر دیتا ہے لہٰذا غلطی کا اعتراف بھی غلطی کے وزن کو گھٹائے گا، بڑھائے گا نہیں۔ شرط یہ ہے کہ غلطی کے اعتراف میں شرمندگی کا عنصر شامل ہو ہٹ دھرمی کا نہیں۔

آپ اپنے ساتھ، دوسرے کے ساتھ انصاف کریں یا نہ کریں معبود عادل حقیقی ہے وہ یہاں بھی انصاف فرمائے گا وہاں بھی۔ اگر کسی غیر منصف کو کسی جابر و سرکش کو دنیا میں راحت ملی ہوئی نظر آئے تو یہ معبود کی طرف سے مصلحت آمیز چھوٹ ہوتی ہے نہ کہ کوئی انعام و اکرام اور اگر غور کیجئے تو قدم قدم پر آپ کو متنبہ کرنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ آپ نے کسی کو خواہ مخواہ ذلیل کرنے کی کوشش کی تو آپ کو بھی کہیں نہ کہیں ذلت اٹھانا پڑے گی۔ آپ نے اگر کسی پر طنزیہ انگلی اٹھائی تو آپ کو بھی کسی نہ کسی مرحلے پر طنز کا نشانہ بننا پڑے گا۔ آپ نے اگر مالیات میں خرد برد کی، کسی کا پیسہ دبایا تو آپ کی جیب سے بھی وہاں پیسہ نکلے گا جس کو آپ کا تصور بھی نہ ہوگا۔ اور اگر ہر طرف سے نظر پھیر کر آپ نے اللہ پر توکل کیا تو آپ کے مسائل کا حل کرنا تو اس کا کام ہے۔

حکایت ہیکہ جناب موسیٰؑ مریض ہوئے۔ شافی مطلق کی بارگاہ میں مناجات کی ارشاد ہوا فلاں بوٹی استعمال کرو صحت ہوگی۔ جناب موسیٰؑ نے اسے استعمال کیا اور صحتیاب ہو گئے۔ دوبارہ پھر اسی مرض میں مبتلا ہوئے، اسی بوٹی کو استعمال کیا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ متعجب و پریشان ہوئے! عرض کی معبود! یہ کیا معاملہ ہے؟ ارشاد ہوا پہلے تم نے مجھ سے رجوع کیا تھا میں نے اس بوٹی کے ذریعہ شفا دی۔ اس مرتبہ تم نے مجھے علیحدہ کر کے صرف اس بوٹی پر بھروسہ کیا۔ لہٰذا شفا نہیں ملی۔

مثال عرض ہے اس کی روشنی میں آپ جائزہ لے لیجئے آئے دن پیش آنے والے واقعات اس کی تصدیق کریں گے۔ کہ مثلاً کسی کے پچاس ہزار روپے آپ کے ذمہ ہیں آپ نے اپنی جگہ یہ فیصلہ کیا کہ اس رقم کا وہ حقدار نہیں ہے میں زیادہ حق دار ہوں اس لئے کہ میرے ضروریات زیادہ ہیں۔ آپ نے اللہ پر بھروسہ نہیں کیا۔ قناعت اور اللہ پر توکل سے کام نہیں لیا۔ اور اس آنے جانے والی رقم پر بھروسہ کر بیٹھے نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اچانک آپ کسی مصیبت میں گھر گئے۔ گھر میں کوئی حادثہ ہو گیا کوئی عزیز قریب کسی سخت مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہہ گیا۔ وہ پچاس ہزار تو ہوا ہو ہی گئے۔ دوسرے کے آپ قرضدار بھی رہے اور پریشانیوں میں مزید مبتلا ہو گئے۔ اگر آپ نے اس کارساز مطلق پر اعتماد کیا ہوتا تو امکان قوی ہے کہ یہ پریشان کن حالات پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔ اور رزاق عالم نے آپ کے واجبی اخراجات کیلئے کوئی مناسب سبیل بھی پیدا کر دی ہوتی۔

❀❀❀

کیا آپ

مداح اہلبیت علیہ السلام ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح۔ مارچ ۲۰۰۲ء، ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۲ھ)

۹ ربیع الاول تا ۲۴ ذی الحجہ تقریباً ساڑھے ۹ مہینے کی مدت آپ کو مدح اہلبیتؑ میں قصیدہ خوانی کی سعادت حاصل رہتی ہے مرثیہ، نوحہ وسلام کہنے اور پڑھنے والے تو پورے سال مصروف عبادت رہتے ہیں۔ ثنائے اہلبیتؑ کوئی معمولی شرف نہیں یہ اظہار ولا کا وہ ذریعہ ہے جو حسانؒ، دعبلؒ، فرزدقؒ، کمیتؒ، ملا محتشمؒ، انیسؒ و دبیرؒ جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کرتا ہے۔ آپ نے خلوص دل سے اہلبیت اطہارؑ کے بارے میں ایک شعر کہہ دیا۔ تو حدیث کی روشنی میں ایک جنتی مکان کے مالک بن گئے۔ بقول والد ماجد مولانا محمد باقر جوراسیؒ ؎

کب وسیلہ ہم کو اہلبیتؑ سے بڑھ کر ملا
بیت لکھی گھر ملا، آنسو گرا گوہر ملا

یہ رتبہ اور یہ منصب کیا کہنا؟ لیکن جب کوئی منصب ملتا ہے تو ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں۔ مولوی یوں عام مولوی ہے۔ لیکن جب وہ امام جماعت کیلئے کھڑا ہو تو اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ مسند درس کی ذمہ داری سنبھالنے والے

مدرس کے کاندھوں کا بوجھ وزنی ہو جاتا ہے۔ مقرر جب منبر کا خطیب ہو جاتا ہے تو اس کے فرائض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شاعر شاعر ہے مگر جب وہ مداح اہلبیتؑ بن جائے تو اس کے منظومات کا ہر لفظ اس کے شعر کا ہر مفہوم اس کا تخیل وہی ہونا چاہیے جو مطلوب ممدوحین ہو اور اس کے عمل و قول سے کردار اہلبیتؑ کی شعاعیں محفلوں کے حسن و جگمگاہٹ کو دوبالا کر دیں۔ مداح کے اشعار ہی معطر نہ ہوں بلکہ انفاس سے بھی بوئے عشق اہلبیتؑ آئے۔

اس کے برعکس اگر آپ وضع قطع سے کوئی اجنبی مخلوق نظر آئے اپنے کو ہر پابندی سے آزاد سمجھ کر قدم قدم پر نت نئے انداز اختیار کر کے منتظمین سے ہر آسان و سخت مطالبے کرتے رہے گروہی تفریق میں ایسا الجھے کہ دوسرے کے فن کو مانا نہیں اپنے ہی فن کو منوانے میں لگے رہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مدح اہلبیتؑ میں قصیدہ پڑھنے کے ذوق سے زیادہ اپنا قصیدہ پڑھوانے کے شوق میں لگے ہوئے ہیں۔ تو گویا آپ نے اپنے طریقہ کار سے اس مقدس عبادت کی تضحیک کی ہے جو لائق جزا نہیں باعث سزا ہے۔ آپ مداح اہلبیتؑ ہیں آپ کی تو ہر نقل و حرکت معتبر ہونا چاہیے۔ اس دور انحطاط میں اب بھی ایسے مداحان اہلبیتؑ موجود ہیں جو مدح سرائی کرتے ہیں تو مجمع کو جگا دیتے ہیں۔ اور خود بھی ایمان و عمل میں اتنا بیدار ہیں کہ واجب نمازوں کی قضا کا ذکر کیا نماز شب بھی قضا نہیں کرتے۔ اسے کہتے ہیں سونے پر سہاگہ۔

جذبۂ ولا میں انسان سازی کی زبردست صلاحیت ہے جتنا یہ قوی ہوگا اتنا ہی مفید نتیجہ برآمد ہوگا۔ نام و نمود کی تمنا، داد و تحسین کی خواہش بالکل نہ ہو ایسا تو

بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن انہیں چیزوں کو فقط مقصد بنا لینا گھاٹے کا سودا ہے۔ محفلوں میں پہلے کے مقابلے میں اگر ایک طرف اخلاص و تقدس اور وقار میں کمی ہے تو دوسرے طرف اشعار میں فکر و فن میں انحطاط ہے اگر چہ نسبتاً اس دور کی محفلیں زیادہ مقبول ہیں اور مجمع سے داد تحسین لینے والے حسین اشعار زیادہ سننے کو ملتے ہیں۔ لہٰذا مجمع کی فن شناسی کے معیار کو درک کرتے ہوئے ہر نعرہ تحسین پر اپنے کو بڑا شاعر نہ سمجھئے جب تک ماہرین فن اور مقتدر استاد شعراء کی سند نہ مل جائے۔ مقاصدوں کے منتظمین اگر چہ قابل تعریف محنت و مشقت اور حوصلہ کے ساتھ شاندار پروگرام کرتے ہیں مگر صدارت افتتاح مہمانان خصوصی کے شعبوں پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ جس سے اکثر اخلاص سے مدح اہلبیتؑ کے بجائے دیگر مصالح کی جانب زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ان پاک محافل کیلئے انتخاب بھی اکثر غیر محتاط ہوتا ہے۔ صرف گفتار کے غازیوں سے اگر آپ نے اپنی محفل سجا بھی لی تو آخرت میں کیا صلہ پایا؟ مہمان خصوصی کی اصطلاح کو بھی آپ جدید ہی سمجھئے۔ گو یا خصوصی کے علاوہ جتنے حاضرین محفل ہیں وہ سب عمومی ہیں۔ ولو ان خصوصی مہمانوں کے مقابلے میں عمومی مہمانوں میں زیادہ اہل علم اہل تقویٰ اور محبان اہلبیتؑ افراد کیوں نہ ہوں۔ ظاہر ہے یہ تفریق غیر اسلامی ہے اور محفلوں کا وقار متاثر ہوتا ہے۔

ذاتی طور سے مجھے اس کا احساس اور تجربہ اس وقت ہوا جب ایک بزم میں میں تو اسٹیج پر براجمان تھا اور میرے ایک محترم مجھ سے کہیں زیادہ عالم و بزرگ استاد سامنے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے وہاں جب تک بیٹھنا پڑا میرا ضمیر مجھے

ملامت کرتا رہا۔اس کے بعد سے میں اس وقت تک کسی ایسی پیشکش کو قبول کرنے سے بچتا ہوں جب تک کہ بات غرور و بداخلاقی کے حدود میں داخل نہ ہو جائے۔

محفلوں کی تاریخ میں وہ دن ایک انقلابی دن ہوگا جب ہماری محفلیں امام زمانہؑ کی سرپرستی وصدارت کے اعلان کے ساتھ ہوں گی۔ اسٹیج پر صرف ناظم اور پڑھنے والا شاعر یا مقرر ہو یا زیادہ سے زیادہ علمائے کرام یا قصیدہ خوانی میں حصہ لینے والے دیگر شعرائے کرام یا کوئی باہر سے آیا ہوا مہمان اور کسی بھی دینی و مذہبی تقریب کے افتتاح کا واقعی حق کلام الٰہی کو ہے۔

❁❁❁

کیا آپ
ذاکر حسین علیہ السلام ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح۔اپریل۔مئی ۲۰۰۲ء محرم، صفر ۱۴۲۳ھ)

تذکرہ حسینؑ ایک ایسی بیش بہا عبادت ہے جس کا اخروی اجر بھی بہت ہے اور دنیا میں یہ ظالم کے خلاف، حمایت مظلومیت میں سب سے موثر تحریک ہے۔ جس کو جاری رکھنے کی ترغیب کیلئے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ہماری مصیبت کو یاد کر کے خود آنسو بہائے یا کسی کو رلایا تو اس کی آنکھ اس دن گریہ نہ کرے گی جس دن دوسری آنکھیں روتی ہوں گی۔ (یعنی بروز حشر)

(عیوان الاخبار شیخ صدوقؒ)

لہٰذا اس تحریک کا بنیادی عنصر تو گریہ ہے اور اس گریہ کے مقدمات میں بیانات کے وہ تمام گوشے ہیں جو منبر اور مجلس کی افادیت کو عام کر سکیں۔ اتنی اہم عبادت کیلئے اس کے دو ضروری پہلوؤں کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ ایک تو یہ کہ بیان کیا ہو؟ دوسرا یہ کہ بیان کرنے والا کون ہو۔؟

بیان کیا ہو اس ضمن میں کچھ بحث و مباحثہ بھی ہو جاتا ہے اور قدرے

اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجلسیں فضائل و مصائب اہلبیتؑ اطہار علیھم السلام کے لئے ہوتی ہیں۔ منبر رسولؐ کا ہے جو تجدید پیغام اسلام کے لئے تشریف لائے تھے اس منبر کا مہتمم بالشان استعمال میدان غدیر خم میں تاریخی اجتماع اعلان ولایت میں ہوا تھا۔ وہ ولایت امیر المومنینؑ جس کے اعلان پر دین کامل ہوا۔ اس منبر پر بالخصوص واقعات کربلا بیان ہوتے ہیں۔ وہ واقعہ کربلا جس کا وقوع ہی دین کی بقا اور تحفظ کیلئے تھا۔ لہٰذا اس منبر پر ہر وہ بات بیان ہوسکتی ہے اور ہونا چاہئے جو محمد و آل محمد علیھم السلام کی عظمت و بزرگی کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اور جس سے دین فہمی میں مدد ملے۔ کب کیا بیان ہو اس کا تعین حسب حال ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر بیان میں عشق اہلبیتؑ کی حرارت نہ ہو تو سامعین کی رگوں میں ایمانی رَو کو بیان تیز نہیں کرسکتا۔ اور قوم میں مقدادؓ و میثمؒ اور سلمانؓ جیسے غلامان خانوادہ رسولؐ پیدا نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا غلو و تقصیر کی گھاٹیوں سے بچتے ہوئے مکمل فضائل کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔ اور تعلیمات اہلبیتؑ کی آمیزش اسے انتہائی معتبر بنادے گی۔ بصورت دیگر مجلسیں اپنی مکمل افادیت سے مالا مال نہ رہ سکیں گی۔

اگر آپ نے کسی مفروضہ اعتراض کی بنیاد قائم کی اور اس پر سطحی انداز سے جوش ولولہ ہی کے ساتھ سہی اپنے خیالات کا اظہار کیا تو یہ بیان سنجیدہ طبقہ پر اثر انداز ہونے کے بجائے طبیعتوں کو مکدر کرے گا۔ ہمارے یہاں علم کلام کا دامن مالا مال ہے لہٰذا اگر احقاق حق اس انداز سے ہو کہ اغیار چڑھنے کے بجائے غور و فکر پر مجبور ہوں تو کیا کہنا۔ ہمارے بہت سے علماء و ذاکرین اختلافی مسائل پر مکمل طور سے حکمت کے ساتھ اس طرح سے روشنی ڈالتے تھے کہ سامعین عش عش کرتے

تھے مجھے اپنے بچپن کا ایک منظر یاد ہے کہ میرے استاذ معظم نادرۃ الزمن مولانا سید ابن حسن نونہروی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ ایک مجلس میں مناظرہ بھی پڑھ رہے تھے۔ مگر انداز خطابت اتنا حسین تھا کہ مجلس میں موجود ایک عالم اہل سنت مولوی کرم علی ملیح آبادی جھوم جھوم کر داد دے رہے تھے۔ اگر خطاب میں فصاحت وشیریں بیانی ہو تو اسے بلاغت سے بھی عاری نہیں ہونا چاہئے۔ مجمع کن افراد پر مشتمل ہے یہ دھیان میں رکھ کر بات کہی جائے یہی بلاغت ہے۔ بہتر سے بہتر بات بے موقع بیان کی جائے یہ خلاف بلاغت ہے۔ مجمع میں اغیار زیادہ ہوں تو مناسب اور تفہیمی انداز سے حقوق اہلبیتؑ کی وکالت کا موقع ہے۔ ملا جلا مجمع ہے تو ان دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ غیر مسلم مناسب تعداد میں ہیں تو اسلام کی واقعی تصویر ان کے سامنے اس طرح پیش کیجئے کہ اسلام کیلئے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اور ایسے بیانات سے گریز کیجئے جو اشتعال انگیز ہوں ہمارے مذہب کے خلاف نفرت پیدا کر دیں یا شکوک وشبہات کو ہوا دینے والے ہوں۔

فضائل ومصائب میں ضروری نہیں ہر پڑھی جانے والی روایت اصول درایت پر مکمل طور سے پرکھی ہوئی ہو یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ روایت وضعی نہ ہو اور کسی غیر معتبر کتاب سے نہ اخذ کی گئی ہو۔ عقیدت مندوں کے ایک بڑے مجمع میں خود کو دیکھ کر حد سے تجاوز نہ کیجئے اور بیان میں اپنی صلاحیت کو ضرور پیش نظر رکھئے۔ زور خطابت میں یا اپنے علم کا سکہ بٹھانے کے چکر میں ایسے مسائل پر لب کشائی نہ کیجئے جن پر آپ کو عبور نہیں ورنہ آپ غلط باتیں ذہنوں تک پہنچا دیں گے۔ میرے شفیق استاذ فخر الاتقیاء مولانا وصی محمد صاحب قبلہ

اعلی اللہ مقامہ نے ایک دن تذکرۃً ارشاد فرمایا کہ میں زیر منبر تھا اور ایک بزرگ منبر پر تھے۔ زور خطابت میں وہ مسائل شریعت پر آ گئے اور اس وادی میں نو وارد ہونے کی وجہ سے ٹھوکریں کھانے لگے میں نے اپنی شرعی ذمہ داری محسوس کی ان کی بزرگی اور اپنی خردی کو لحاظ میں رکھتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ آپ دیگر باتیں بیان کیجئے یہ مسائل میرے لئے رہنے دیجئے۔ میں ان پر روشنی ڈال دوں گا۔لہٰذا انا سے بچیئے اور اس خام خیالی کو ذہن سے نکال دیجئے کہ آپ خطیب ہیں تو دین کے تمام گوشوں پر آپ حاوی ہو گئے ہیں ورنہ نتیجہ بڑا خراب ہوگا۔ خود بھی بھکیئے گا دوسروں کو بھی بہکایئے گا۔

یہیں سے عبادت عزاء کے دوسرے پہلوؤں کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی بیان کرنے والا کون ہو؟ حق تو یہ ہے کہ خطابت علم وفن کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ دونوں مل کے حاصل ہوں تو کہنا ہی کیا۔ لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ علم ہے تو علم رسانی کی صلاحیت نہیں اور اگر فن ہے تو علم نہیں۔ دونوں صورتوں میں محرومی مجمع کا مقدر رہتی ہے پھر بھی اگر علم بغیر فن کے ہے تو کم از کم وہ ضرر رساں نہ ہوگا۔ لیکن فن اگر بغیر علم کے ہے تو وہ نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ عوامی سطح پر علم کے مقابلہ میں فن کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی درسگاہوں سے وابستہ بہت سے حضرات اپنے علمی اثاثوں کو پس پشت ڈال کر اہل فن کی تقلید پر اتر آتے ہیں۔

اس حقیقت کے اعتراف میں بھی تامل نہ ہونا چاہئے کہ چند ایسے بھی خطیب ہیں جو کسی دینی درسگاہ کے تعلیم یافتہ نہیں لیکن اتنی مشق کر لی ہے کہ آیات و

احادیث غلط نہیں پڑھتے ۔اور موضوع پر بیان بھی بہترین اور مکمل اور قابل رشک ہوتا ہے ۔مگر ایسے ذاکرین بہت ہی کم ہیں ۔لہٰذا آپ اگر عربی داں ہیں تو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیے۔ اور اگر غیر عربی داں ہیں تو مشق و محنت سے گریزاں نہ رہئے ۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنی ذاکری کو غیر معمولی اہمیت نہ دیجئے ۔انکسار و فروتنی کے مقابلے میں شان و شوکت اور غرور و تکبر کسی شعبہ میں لائق ستائش نہیں اور یہ تو خاصانِ خدا کے تذکرہ کا معاملہ ہے ۔یہاں اس کو معراج ملی جس نے اپنے کو حقیر گردانا۔

یہ ایک بڑی تشویشناک صورتحال سامنے ہے کہ القاب کے استعمال کا بازار گرم ہے۔کمی ہو تو لوگوں کو برا لگتا ہے ۔جدید تہذیب میں اخبارات ورسائل میں اس کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے ۔اگر چہ یہ بھی اس لئے تفریط کے زمرہ میں آتا ہے کہ تحریریں ریکارڈ ہیں اور آئندہ نسل بہت سے اہل قلم کیلئے یہ اندازہ نہ لگا سکے گی ۔لکھنے والا کس حیثیت کا تھا اور اگر اس کی کسی تحریر کا کوئی حوالہ دیا جائے تو وہ حوالہ معتبر سمجھا جائے گا بھی یا نہیں ۔

افراط کا پہلو یہ ہے کہ بعض غیر مولوی مولوی بن گئے ۔مولوی مولانا ہوئے اور مولانا حجۃ الاسلام لکھے جانے لگے ۔حجۃ الاسلام آیت اللہ کے زمرہ میں آگئے ۔جب کہ ماضی میں ایسا نہیں ہوتا تھا ۔کوئی اگر آپ کے نام کے ساتھ القاب استعمال نہ کرے تو آپ کو ٹھیس پہنچے گی ۔لیکن اگر خود سختی سے منع کر دیں تو کوی مسئلہ نہ رہے گا ۔ریڈیو پر ایک صرف خطیب کی تقریر نشر ہو رہی تھی ۔مولانا فلاں کے ذریعہ تعارف کرایا گیا ۔مگر پوری تقریر کے دوران مجھے یہ کوفت ہوتی رہی کہ دوران خطاب پڑھے گئے آیات وحدیث کے اعراب غلط تھے ۔جس پڑھے لکھے نے یہ

تقریر سنی ہوگی اس کا یہی تاثر رہا ہوگا کہ اس قوم کے مولوی نرے جاہل ہوتے ہیں۔ القاب آپ کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا سکیں یا نہ پہنچا سکیں لیکن موجودہ صورتحال میں قوم کا وقار ضرور گرے گا۔ اور اس کی حسین شبیہ بگڑے گی۔

استاذ معظم علامہ نونہرویؒ نے ایک مرتبہ مجھے نصیحت کی تھی کہ اپنے درسیات مضبوط کرو منبر پر تم چاہے جتنی اچھی خطابت کر رہے ہو تم نے اگر ایک لفظ بھی غلط بول دیا تو مجمع میں موجود اہل علم کی نظروں سے گر جاؤ گے۔

❁❁❁

کیا آپ عالم دین ہیں؟ (۱)

(ماہنامہ اصلاح جون ۲۰۰۲ء، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ)

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

صنفان من امتی اذا صلحت امتی واذا افسدت امتی۔قیل یارسول اللہ ومن ھما؟ قال۔ الفقھاء والامراء

(خصال شیخ صدوقؒ جلد ا، حدیث ۱۲)

ترجمہ: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اگر وہ اصلاح یافتہ ہیں تو میری تمام امت اصلاح یافتہ ہو جائے گی اور اگر یہ دو گروہ برباد ہیں تو میری امت برباد ہو جائے گی۔ عرض کیا گیا وہ دو گروہ کون ہیں؟ فرمایا فقہاء (دین وشریعت کے ماہرین علماء) اور حکمران۔

ان دو گروہوں میں سے پہلے گروہ کی ذمہ داریاں فزوں تر ہوتی ہیں ایسے علماء کے اقوال واعمال و پر عوام کی نگاہیں ہوتی ہیں وہ جو کہتے ہیں وہ جو کرتے ہیں، اسے سند کا درجہ دیا جاتا ہے اگر انہوں نے کوئی گمراہ کن بات کہی تو اس پر ایمان لانے والے تمام افراد گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر اس گروہ نے خلاف دین وشریعت بات پر عمل کیا تو وہ تمام افراد جو اس عمل کو حجت کا درجہ دے کر عمل کرنے لگیں وہ گمراہی کے غار میں جاتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ترجمہ: کوئی اس وقت تک فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس کی جانب متوجہ نہ ہو کہ اس کا لباس کس حد تک کم قیمت ہونا چاہئے۔ اور کس سادہ غذا سے اسے اپنی بھوک مٹانا چاہئے۔ (خصال جلد ا، حدیث ۲۷)

اچھا لباس اور اچھی غذا شریعت میں منع نہیں لیکن فقیہ کو ان میں بھی محتاط ہونا چاہئے تاکہ معاشرہ فضول خرچ نہ ہونے پائے۔ اور عالم و فقیہ کی پیروی میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بس یہی چیزیں بن کر نہ رہ جائیں۔

امیر المومنینؑ نے حضرت کمیل ابن زیادؒ سے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے کمیل! عالم دین کی محبت عین دین ہے اور اس کی پیروی دستور زندگی ہے عوام اس کی زندگی میں (اس سے) اطاعت الٰہی اور بندگی کے طریقے سیکھتے ہیں۔ اور اس کی موت کے بعد اس کے نیک آثار کی بقا اور انہیں عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (خصال جلد ا، حدیث ۲۵۷)

یہ ہیں عالم کے اقوال و اعمال کے عوام پر اثرات لہٰذا عالم و فقیہ کی مسئولیت و جوابدہی بڑی سنگین ہوتی ہے جس میں ذرا سی کوتاہی خود عالم کی دنیا و آخرت برباد کرتی ہے اور پورے معاشرے کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیتی ہے۔ عالم کی ذات دین کو پھیلانے کے لئے ہوتی ہے۔ دنیا میں الجھنے کے لئے نہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا ایک پیرو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا اور ان سے علم حاصل کرتا رہتا۔ طویل عرصہ کے بعد اس

نے وطن جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت موسیٰؑ نے اس شرط سے اجازت دی کہ اللہ نے تمہیں علم دیا ہے لہٰذا اپنے علم کے مطابق عمل کرنا اور علم کے بدلہ میں دنیا نہ طلب کرنا عرصہ تک شاگرد واپس نہ آیا نہ اس کی کوئی خبر خیر ملی ایک دن حضرت جبرئیلؑ نے حضرت موسیٰؑ کو مطلع کیا کہ وہ مسخ ہو کر بندر بن چکا ہے۔ اللہ نے اس کو علم دیا تھا اس نے علم کو دنیا کے بدلے میں بیچ دیا اسی لئے اللہ نے اسے مسخ کر دیا!۔ (پند تاریخ آقائے موسی خسروی)

اس کے برعکس علم کا حقیقی استعمال کرنے والا عالم بے انتہا اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بروز حشر ایک شخص کو لایا جائے گا جس کے اعمال تہ در تہ بادل کی طرح یا سر بفلک پہاڑوں کی طرح نظر آئیں گے وہ حیرت سے عرض کرے گا، میرے پاس اتنے اعمال کہاں سے آ گئے؟ جواب ملے گا یہ تمہارا وہ علم ہے جو لوگوں کو تم نے تعلیم دیا۔ اور اس علم پر تمہارے بعد عمل ہوتا رہا۔

(بحار الانوار علامہ مجلسیؒ جلد ۲، صفحہ ۱۷)

آپ عالم دین ہیں تو خود کو علم دین کا اہل ثابت کیجئے اور دوسروں کو اس علم کے ذریعہ نجات کا راستہ دکھائیے اور یہ دھیان رکھئے کہ گرفت کرنے والی نگاہیں آپ کے تعاقب میں ہیں۔ ایک اجتماع میں جہاں متعدد علماء کے وقفہ وقفہ سے بیانات تھے۔ ایک صاحب جبہ و دستار بضد ہو گئے کہ قبل مغرب مجھے تقریر کر کے واپس جانا ہے جلدی ہے مختصر بیان ہوگا مگر جوش خطابت میں بیان کو مغرب کے

وقت سے گزار کر عشاء کے وقت تک پہنچا دیا۔ بعد میں وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ اس صورتحال سے اغیار کو انگلی اٹھانے کا موقع ملا۔ علم کی پرکھ کی صلاحیت تمام عوام میں نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اکثر لباس کے ذریعہ تعین کرتے ہیں کہ یہ عالم دین ہے۔ بالخصوص عمامہ وقبا لہذا لباس کی رعایت بھی بہت ضروری ہے۔ یہ لباس انبیاءؑ اور ائمہؑ کا لباس ہے کسی عمل سے اس کی توہین روا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نجف وقم میں غیر محتاط حضرات کو ''خلع لباس'' کے رسوا کن مرحلہ سے گزرنا پڑا ہے اور عمامہ وردا سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔

❀❀❀

کیا آپ عالم دین ہیں؟ (۲)

(ماہنامہ اصلاح جولائی ۲۰۰۲ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ)

عالم دین کی معاشرہ میں بڑی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور ان سے عہدہ بر آہونا ہی اپنے فرائض منصبی کی تکمیل ہے۔ عالم کا کام معاشرہ میں پیدا ہوجانے والی گتھیوں کو تبحر علمی کے ذریعہ سلجھانا ہے۔ نہ یہ کہ بے چارے کم علم عوام کے سامنے کوئی شوشہ چھوڑ کر مسائل کو الجھا دینا ہے اگر خدانخوستہ آپ کی یہ عادت ہے تو آپ اپنے دین اور اپنی قوم کے ساتھ کھلی ہوئی غداری کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہوتا ہیکہ میں سب میں ممتاز ہوں اس لئے میں نے سب سے ہٹ کر بات کی ہے اور میں دور کی کوڑی لایا ہوں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عوام کالانعام کے بیچ فتنہ کا بیج بو دیا ہے۔ آپ کا شمار علماء سوء میں سے ہے جن کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اس کے بجائے حقائق دین کو حاصل کیجئے اور تحریر و تقریر کے ذریعہ انہیں عوام تک پہنچایئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''اگر تمام انسان طلب علم کے فوائد سے واقف ہوتے تو وہ بے شک طلب علم کرتے ولوان کے خون و بدن ضائع ہوتے۔ (معراج السعادۃ ملا احمد نراقیؒ)

مسائل کو اگر آپ نے حل کرلیا اور حقائق سے عوام کو روشناس کرایا تو یہ ایک

متاع آخرت ہے بالخصوص تحریر جو پائیدار ہوتی ہے، امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

''مومن مرجائے اور وہ کوئی ایسا ورق چھوڑ جائے جس میں اس نے مسئلہ علمیہ لکھ رکھا ہو تو وہ ورق اس کے اور دوزخ کی آگ کے درمیان پردہ کا کام کرے گا'' (معراج السعادۃ)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کل علماء سے کون سے امور وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ امور جو غیر علماء بھی انجام دے سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بساط علم لپٹی ہوئی ہے اور علوم کرم خوردہ کتابوں کی قبروں میں دفن ہیں۔ وہ علماء جو علوم انبیاءؐ وائمہؑ کو عام کرنے میں کوشاں ہوں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ایسے ہی علماء سے ربط وضبط کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارش فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لوگو! حشر کا دن بڑا پر حول ہوگا۔ اس دن خوف وحسرت اور ندامت کا سامنا ہوگا۔ لوگ کانوں کی لوؤں تک اپنے پسینہ میں غرق ہوں گے۔ اگر ان کے بدن کے پسینہ سے ۷۰ اونٹ پئیں تب بھی وہ کم نہ ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس سے نجات کیسے مل سکتی ہے؟ فرمایا علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرو نجات پاؤ گے۔ میں تمام انبیاء ماسبق پر اپنی امت کے علماء کو پیش کر کے فخر کروں گا۔ دیکھو! عالم دین کو جھٹلانا نہیں، اس کی باتوں کو رد نہ کرنا، اس سے عداوت نہ برتنا بلکہ اس کو دوست رکھنا، اس لئے کہ اس کی محبت اخلاص اور اسکا بغض نفاق ہے خبردار! جس نے (باعمل) عالم کی توہین کی اس نے میری توہین کی اور جس نے میری توہین کی اس نے خدا کی توہین کی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور جس نے عالم دین کی تعظیم کی اس نے میری تعظیم کی، اور اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

پھر خبردار فرمایا کہ دیکھو! عالم دین کی دعا کو غنیمت جانو۔ اس لئے کہ خدا اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ جس نے عالم کے پیچھے ایک نماز پڑھی اس نے گویا میرے پیچھے اور ابراہیم خلیل اللہ کے پیچھے نماز پڑھی۔

پھر ارشاد ہوا! علماء کی بزم کو غنیمت سمجھو اس لئے کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس بزم میں بیٹھنے والوں پر اللہ کی رحمت و مغفرت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح آسمان سے بارش کا نزول ہوتا ہے۔ جب علماء کے پاس لوگ بیٹھتے ہیں تو گنہگار بیٹھتے ہیں اور جب ان کی بزم سے اٹھتے ہیں تو گناہوں سے پاک ہو کر اٹھتے ہیں۔ (جامع الاخبار فصل ۲۰)

ظاہر ہے جب ایسی بزمیں سنسان ہو جائیں اور ایسے علماء مفقود ہو جائیں تو عوام کے حصہ میں سوائے حیرانی اور سرگردانی کے کیا آئے گا۔ اسی لئے پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ گروہ علماء اگر فساد زدہ ہے تو پوری امت مفسدہ کا شکار ہوگی۔

دوسرا گروہ امراء کا ہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دیکھ جایئے ہماری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر بدترین و ظالم حکمراں مسلط ہیں۔ پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ،

"جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گریزاں ہوں گے اور میرے اہلبیتؑ کے اخبار و احادیث کی پیروی نہ کریں گے تو خداوند عالم شریر اور برے لوگوں کو ان پر مسلط کردے گا۔" (عقاب الاعمال صفحہ ۳۰)

الناس علیٰ دین ملوکھم (لوگ حکمرانوں کی روش پر ہوتے ہیں) عوام میں بھی برائیاں عام ہیں۔ حکمراں ظالم ہیں اور عوام کی اکثریت بھی باہم

ظلم و زیادتی میں ملوث ہے۔ جب کہ حدیث نبیؐ ہے۔ "عدل ساعةٍ خیر من عبادة سبعین سنة" گھڑی بھر انصاف سے کام لینا سال بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے، خدا کی رحمت سے بادشاہ ظالم بہت دور ہے۔

(معراج السعادة ملا نراقیؒ)

ایسے حکمرانوں کی موانست کی دوڑ لوگوں کو تباہی کی طرف کس تیزی سے لے جانے والی ہے۔ یہ بات محتاج تشریح نہیں۔

❀❀❀

آپ کون ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اگست ۲۰۰۲ء، جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ)

میں نے یہ عنوان قائم کرنے سے گریز کیا ہے کہ ''کیا آپ حکمران ہیں؟ ''میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کے حکمرانوں میں سے ایک دو کے علاوہ آپ کسی کو راہ راست پر نہ پائیں گے۔ پیغمبر آخر الزمانؐ ایسے مخبر صادق کا قول تصدیق کی منزل سے گزر چکا ہے کہ حکمراں بگڑے ہوئے ہیں تو پورا دنیاوی نظام چوپٹ ہے۔ ایسے میں مومنین اور بالخصوص علماء کو ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر رکھنا چاہئے۔ ان حکمرانوں نے دنیا کو جہنم کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ ظلم وستم کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ آج جو دنیا پر رحمت خدا کی بارش میں کمی ہے اس کے دو بڑے اسباب ہیں:۔ ایک تو ہماری بداعمالیاں دوسرے حکام جور کا ظلم وستم کی سرحدوں کا پار کر جانا ہے۔ جو ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں اور اسے انصاف کا نام دیتے ہیں ان ظالم حکمرانوں کے ساتھ ہماری روش کیا ہو یہی ایک بڑا مسئلہ ہے اور علماء کی تو بات ہی دیگر ہے۔

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

بروایتے امام جعفر صادقؑ کے روبرو پیغمبر اسلامؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ''النظر الی وجہ العالم عبادۃ'' عالم کے چہرے پر نظر کرنا عبادت کرنا ہے

،تو امامؑ نے فرمایا اس سے مراد وہ عالم ہے کہ جب تم اس کی طرف نگاہ کرو تو تم کو آخرت کی یاد آجائے اور اگر اس کے برخلاف ہو تو اس عالم کی طرف نظر کرنا فتنہ ہے رسول خداؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ علماء اللہ کے بندوں پر رسولوں کی جانب سے اس وقت تک امین ہیں جب تک یہ حاکم سے خلا ملا نہ پیدا کریں اور جب حاکم سے یہ خلا ملا پیدا کرلیں تو ان سے گریز کرو اس لئے کہ انہوں نے رسولوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ (ماخوذ از ترجمہ کشکول زاہدی صفحہ ۱۱۰)

خلا ملا سے آپ کو نوعیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ ورنہ ''سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں کیا کیا جا سکتا'' کے مصداق ہم دنیا میں رہتے ہیں۔ بہت سے ناگزیر و ضروری معاملات میں ان حکام کے روبرو ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور ان سے سابقہ پڑتا ہے لیکن ایسا ضرورت شدیدہ کے تحت ہونا چاہئے۔ جو مفاد دینی کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ کسی دنیاوی نہیں بلکہ دینی مصلحت کے تحت جیسا کہ علی ابن یقطین کو ہارون رشید کے سلسلہ میں امام موسیٰ کاظمؑ سے اجازت ملی تھی مگر اتنی ایمانی فراست ضروری ہے کہ باطل سے تعاون کی شکل نہ پیدا ہو جیسا کہ صفوان جمال کو ہارون کے سفر حج کے لئے اونٹ فراہم کرنے سے امام موسیٰ کاظمؑ ہی نے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اس کا کرایہ ملنے کی طمع میں ظالم کی طول حیات کی تمنا رہتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

''ظالم حاکم یا اس کے حکام کے طرف سے اوپر سے لے کر نیچے تک کوئی عہدہ قبول کرنا حرام ہے۔ یہ سب حاکم کے دروازے ہیں۔ ان کی حکومت کی وجہ سے ان کے لئے کوئی کام کرنا ان کے ساتھ مل کر کوئی فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ جو ایسا

کرے گا خواہ کم یا زیادہ وہ معذب ہوگا۔ کیوں کہ (یہاں) ہر شے گناہ کبیرہ ہے۔ ظالم حکمراں کی حکومت میں کل کا کل حق مٹ جاتا ہے۔ اور پورے کا پورا باطل زندہ ہوجاتا ہے کھلم کھلا ظلم وجور وفساد ہوتا ہے کتب (سماوی) باطل کی جاتی ہیں۔ انبیاء ومومنین قتل کئے جاتے ہیں۔ مسجدیں منہدم کردی جاتی ہیں سنت الٰہی اور اس کی شریعت تبدیل کردی جاتی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا، ان کی مدد کرنا، ان کی ہمراہی میں کچھ کرنا حرام ہے سوائے ضرورت کے وقت جس طرح ضرورت کے وقت خون ومردار جائز ہے''۔ (تحف العقول صفحہ ۳۳۲)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''قیامت کے دن خدا کی طرف سے ایک منادی ندا کرے گا کہ، ظالمین کہاں ہیں؟ ظالموں کے مددگار کہاں ہیں؟ جو لوگ ظالموں کے دوات میں کپڑا ڈالتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جو ان کی تھیلی کو باندھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جو ان کا قلم بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ان تمام ستمگاروں کو ایک ہی مقام پر محشور کرو''۔

(بحار الانوار جلد ۷۵ صفحہ ۳۷۲)

''اگر کوئی شخص ظالم حاکم کی تعریف کرے یا لالچ میں آکر خود کو اس سے چھوٹا اور پست ظاہر کرے تو وہ نار دوزخ میں اس کے ساتھ ہوگا''۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۳)۔

''اگر کوئی ظالم کے لئے اس کے ساتھ رستہ چلے درانحالیکہ یہ جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے تو یقینا دین اسلام سے خارج ہوگیا''۔ (مجموعۂ ورّام، جزو اول صفحہ ۴۵)

''جو شخص کسی امر میں اپنے حاکم کو تو خوش کرے اور اللہ کی ناراضگی کو مول لے لے تو وہ دین خدا سے خارج ہے''۔ (تحف العقول صفحہ ۷۵)

اب اس کے بعد کچھ کہنے کو کیا رہ جاتا ہے سوائے اسکے کہ ظالم حکمرانوں کے درباروں سے ہماری کچھ حساس یادیں بھی وابستہ ہیں۔ جنہیں ہم کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتے۔ وہ حضرت زہراؑ و ثانی زہراؑ کی دربار میں پیشی اور علیؑ اول و علیؑ ثانی کا دربار میں قیدی بنا کر لایا جانا۔ معبود عادل امام عصرؑ کے ذریعہ حکّام جور کا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

ایک ضروری باتَ یہ کہ آپ حکمرانی کو صرف ملکوں تک محدود نہ کریں آپ کا خانوادہ ہے تو اہل و عیال کے حاکم ہیں نہ ان سے آپ اتنی شدید محبت کریں کہ ناانصافی کے مرتکب ہو جائیں اور زمرۂ ظالم میں آجائیں۔ اور نہ ان سے اس درشتی سے پیش آئیں کہ آپ کا شمار ظالمین میں ہو۔ آپ کسی دفتر کے انچارج ہیں کسی ادارہ کے سربراہ ہیں تو وہاں کے متعلقین گویا آپ کی رعایا ہیں۔ ان سے آپ کا رویہ انصاف و برابری کا ہونا چاہئے۔ تفریق و زیادتی کا نہیں لہذا اس سے بچئے کہ آخرت میں حکام جور کے ساتھ آپ محشور ہوں۔

یہ دورِ فتن ہے زمانۂ غیبت کی گھٹن ہے۔ پل پل حالات زمانہ بدل اور بگڑ رہے ہیں حق تو یہ ہے کہ لوگ حالات کے سدھار کے معاملہ میں مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں ایسے میں کم از کم آپ کی عادلانہ روش ان کے لئے امید کی کرن بن سکتی ہے۔

کیا آپ طالب علم ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح ستمبر ۲۰۰۲ء، رجب المرجب ۱۴۲۳ھ)

علم ایک ایسا نور ہے جو جہالت کے اندھیروں کو کافور کر دیتا ہے، علم سے عقل پر جلا ہوتی ہے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، مسائل کو حل کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ علم ہی انسان کی ترقی کا راز ہے۔ آج دنیا میں جو بھی چہل پہل ہے اس کی بنیاد علم ہے، علم نے رکاوٹیں دور کیں، راستے پیدا کئے اور بہت کچھ نوع انسان کو دیا۔ اگر علم نہ ہوتا تو انسان کی ترقی حجری دور سے آگے نہ بڑھ پاتی۔ علم ہی نے آج دنیا کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ مگر اس علم کا استعمال آج مثبت اور منفی دونوں کاموں کے لئے ہو رہا ہے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے بجائے دوسروں کو نقصان پہنچانے کا رجحان ترقی پا رہا ہے۔

اسلام ایک الٰہی و آفاقی مذہب ہے اس کی نگاہیں اس نازک صورتحال پر تھیں لہذا اپنے ماننے والوں کو حصول علم پر زیادہ سے زیادہ آمادہ کیا گیا۔ اسلام کو مختلف علوم کی دولت سے مالا مال کرنے والے امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے:

"میرے اصحاب کو اگر تازیانے کے زور پر بھی علم حاصل کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے تو مجھے یہ بھی پسند ہے"۔ (اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۳)

یاد رہے کہ بہت سے مقامات پر معصومینؑ نے طالب علم کو زدوکوب کرنے

سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن آمادہ کرنے کے لئے اس عمل کی اجازت دراصل حصول علم کی اہمیت کو ظاہر کرنے والی ہے حدیث میں علم دین کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ بلا قید علم کا ذکر ہے۔ اسلامی زندگی گزارنے کے لئے اور فلاح عاقبت کے لئے ضروری علم دین حاصل کرنا تو واجب ہے ہی لیکن دوسرے علوم کا بنام دین حاصل کرنا اس لئے لازم ہے تاکہ مخالفین کی ثقافتی یلغار سے بچا جائے۔ اور اس کے توڑ سے اپنے ہاتھ خالی نہ ہوں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

''حصول علم ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے''۔

(بحار الانوار جلد ا صفحہ ۱۷۷)

یا آپ ہی کی یہ تاکید بھی ہے: ''اطلبوا العلم ولو بالصین''۔

''علم حاصل کرو ولو وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو''

(منیۃ المرید صفحہ ۱۳؛ کشف الخفاء، عجلونی، ۲/۴۴)

دور دراز کا سفر اختیا کرو۔ اغیار کے درمیان جاؤ۔ علم کی دولت سے اپنی جھولی بھر لو اور پھر اسے دفاع اسلام میں صرف کرو دشمن شاطر ہے اپنی پوری قوت اسلام کو نقصان پہنچانے کی نیت سے صرف کر رہا ہے اس کا مقابلہ صرف علم و عقل اور ایمان راسخ کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے دوسرے علوم حاصل کرنے پر پابندی نہیں لگائی ہے۔ علم دین کی تاکید کو دیکھتے ہوئے بہت سے حضرات دوسرے علوم کو حاصل کرنا گناہ سمجھتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ان علوم کو مبادیات علم دین کے بطور حاصل کرنا چاہئے اور ضروری علم دین کا حاصل کرنا

فریضۂ دینی قرار دینا چاہئے نبیؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''علم فقط تین ہیں۔ ا۔ آیۂ محکمہ کا علم، ۲۔ فریضۂ عادلہ کا علم، ۳۔ سنت قائمہ کا علم اور ان کے علاوہ جو ہے بس وہ فضل ہے''۔

(اصول کافی جلد ا باب صفتہ العلم)

دنیا کا کون انسان ہے جو فضل کا طلبگار نہیں۔ لہذا بالخصوص دور حاضر میں دوسرے ضروری علوم سے کنارہ کشی ہماری حیات ملی اور ہمارے دین کے لئے نقصان دہ ہے البتہ سب نہیں بلکہ قوم کے مناسب تعداد میں افراد اس جانب متوجہ ہوتے رہیں تو مطلب حاصل ہو جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ یہ فقط ذاتی فائدے کے لئے نہ ہو۔ بلکہ دین ہر حال میں پیش نظر رہے۔ ہمیں بہت تعجب اور افسوس ہوتا ہے ان افراد کو دیکھ کر جو علم کی بات کرتے ہیں عملا اس مہم میں شریک بھی ہیں لیکن ذاتی زندگی میں نہ نجس پاک کا خیال ہے نہ حرام وحلال پر نظر ہے نہ قیود شریعت کی پاسداری ہے۔

جب کہ ان سب چیزوں کی رعایت کے ساتھ علم پھیلانے کی مہم چلنا چاہئے تا کہ منجانب اللہ ہم توفیقات خیر سے بھی فیضیاب ہوتے رہیں۔ یقینا ہمارا فریضہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں، علم پھیلائیں اور ناکارہ وجود بن کر نہ رہ جائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''زندگی میں دو کے علاوہ کسی کے لئے بھلائی نہیں۔ ایک وہ عالم جس کی پیروی کی جائے، دوسرا وہ طالب علم جو علم حاصل کرنے میں مشغول ہو''۔

(اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

''عوام تین اقسام پر منقسم ہیں:

ا۔عالم۔ ۲۔طالب علم۔ ۳۔کوڑا کرکٹ۔

(اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۴)

اولاد کو علم پر لگانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کا فریضہ قرار دیا ہے۔ارشاد ہے:

''باپ پر بیٹے کے تین حقوق ہیں: ا۔اچھا نام رکھنا۔ ۲۔اسے پڑھنا لکھنا سکھانا۔ ۳۔جب بڑا ہو جائے تو اس کی شادی کرنا''۔

(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

ہمیں یہ کبھی نہ فراموش کرنا چاہئے کہ امیر المومنینؑ ہمارے امام اول ہیں۔ جو جامع علوم تھے اور منبر سلونی کے باوقار خطیب تھے۔لہٰذا ان کے چاہنے والوں کا دامن متاع علم و ہنر سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔

❀❀❀

کیا آپ طالب علمِ دین ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح اکتوبر ۲۰۰۲ء، شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ)

قرآن مجید نے مومنوں کو تاکید کی ہے کہ ان میں سے ایک گروہ علم دین حاصل کرے اور پلٹ کر دوسروں کو (عذاب الٰہی) سے ڈرائے۔

(دیکھئے سورہ توبہ آیت ۱۲۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"بہترین عبادت الٰہی فقہی علوم کا حصول اور احکام و مسائل کا سمجھنا ہے"

(منیۃ المرید، صفحہ ۵۳۲)

امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند محمد حنیفہ کو وصیت فرمائی تھی کہ:

"اے فرزند! دینی احکام و مسائل میں بصیرت پیدا کرنے کی کوشش کرو کیونکہ فقہاء، انبیاء کے وارث ہیں"۔ (من لایحضرہ الفقیہ، جلد ۴، صفحہ ۲۷۷)

حضرت صادقؑ آل محمدؐ کا ارشاد ہے:

"اللہ جب بندے سے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عالم دین بنا دیتا ہے"۔

(اصول کافی، جلد ۱، باب فقد العلماء)

لیکن ایسا عالم دین نہیں جسکی حدیث میں وضاحت موجود ہے:

رُبَّ حاملِ فقہٍ غیرُ فقیہٍ (کافی، ج ۱، ص ۴۰۳)

''بہت سے حامل فقہ ہوتے ہیں لیکن وہ فقیہ نہیں ہوتے''۔

(رسول اسلامؐ)

اگر آپ طالبِ علمِ دین ہیں تو کیا صرف اس بات پر مطمئن ہیں کہ آپ علم دین حاصل کررہے ہیں۔ یا اس علم کے تقاضوں پر بھی آپ کی نظر ہے۔ امیر المومنینؑ کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر تم دوسروں کی اصلاح کرنا چاہتے ہو اور خود اپنے کو فاسد ہی رہنے دو تو یہ بہت بڑا عیب ہے''۔ (غرر الحکم صفحہ ۲۷۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''علم دو قسم کا ہے ایک تو وہ علم ہے جو فقط زبان تک محدود ہوتا ہے۔ ایسا علم ابن آدم کے خلاف حجت ہے۔ اور ایک علم وہ ہوتا ہے جو قلب میں ہوتا ہے۔ یہی علم فائدہ رساں ہے''۔ (بحار الانوار، جلد ا، صفحہ ۲۶)

ایسا ہی علم مطلوب پروردگار ہے لہذا حصول علم دین کی مہم صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہ ہو بلکہ آپ ظاہر و باطن دونوں میں علم دین سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے لئے کوشاں رہیں۔ آپ کو دوسروں کو راہ حق دکھانا ہے۔ علوم اہل بیتؑ کے خزانے سے عوام کی جھولیاں بھرنا ہے۔ لہذا آپ کی شخصیت میں دینی نکھار ضروری ہے۔ زیادہ سے زیادہ علم دین حاصل کیجئے اسے دوسروں تک پہنچانے کا سلیقہ سیکھئے۔ بد خلقی سے کوسوں دور بھاگئے۔ اخلاق اسلامی کا جیتا جاگتا نمونہ بنئے۔ ورنہ منافقت کا دھبہ دامن پر لگ جائے گا۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

''منافقین میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اخلاق پسندیدہ اور دینی بصیرت'' (منیۃ المرید، صفحہ ۲۳۲)

اپنی بات میں وزن پیدا کیجئے۔ ورنہ لوگوں کے درمیان آپ کی ساکھ گر جائے گی، مالی دیانت پر خصوصی توجہ دیجئے۔ جو مال میں دیانت نہیں برت سکتا وہ دین پہنچانے میں کب دیانتدار ہوسکتا ہے۔ عالم کے لئے حلم وانکسار ضروری ہے لہذا عجب وغرور کی لعنت سے بچئے ورنہ ہمدردوں کو کھو دیجئے گا فضولیات سے بچئے کہ یہ طالب دین کے وقار کے قطعاً منافی ہے۔

صاحب کنز الفوائد علامہ ابوالفتح محمد بن علی نے ایک آپ بیتی تحریر فرمائی ہے کہ:

میں قاہرہ کی راہ پر مصروف سفر تھا۔ راستہ میں ایک دینی طالب علم میرا ہم سفر بنا۔ ایک بازار میں اس طالب علم کی نظر ایک نوجوان پر پڑی وہ اس کے پاس چلا گیا اور دیر تک ہنسی مذاق میں مصروف رہا۔ جب وہ واپس آیا تو میں نے اسے متنبہ کیا کہ ایک دینی طالب علم کو یہ حرکات زیبا نہیں دیتے۔ ہم ابھی چند قدم چلے تھے کہ کسی کتاب کا ایک بوسیدہ ورق پڑا ملا جسے میں نے اٹھا لیا اس پر یہ عجیب عبارت تحریر تھی جو میں نے بھی حیرت سے پڑھی اور اس طالب علم کو بھی پڑھوائی۔

''اس نے کہا۔۔۔۔۔۔ میں تیرا برادر ایمانی اور دینی مددگار رہوں لیکن میں نے جو تمہارا عمل دیکھا ہے اس پر میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ تم احکام الٰہی کو چھوڑ کر ایک جاہل اور جوان لڑکے سے

مذاق کرتے ہو۔ تمہیں اپنے قدر و قیمت کا علم ہونا چاہئے ۔ اللہ نے تمہارا رتبہ بلند کیا ہے تم اگر اپنی منزلت پہچان لو تو جماعت صدیقین کے فرد بن جاؤ تم کہتے ہو کہ ''مجھ سے یہ حدیث فلاں نے بیان کی، ان سے فلاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، انہوں نے جبرائیل سے انہوں نے اللہ سے تم پیغمبرؐ جبرئیلؑ اور اللہ سے روایت کرتے ہو لوگ تمہاری بات توجہ سے سنتے ہیں اسے لکھتے ہیں، تمہاری بات پر اعتبار کرتے ہیں۔ میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ آئندہ یہ عمل تم سے سرزد نہ ہو اس لئے کہ تمہارے متعلق اس غضب خدا سے خوف ہے جو جہلا سے پہلے علماء کا مواخذہ کرتا ہے اور کفار سے پہلے حاملان قرآن کو معذب کرتا ہے''۔

تحریر دیکھ کر طالب علم نادم ہوا۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے یہ منجانب اللہ میرے لئے غیبی نصیحت ہے اس کے بعد ان تمام لغویات کو تج دیا''۔

(بحار الانوار، جلد ۲، صفحہ ۵۹)۔

❁❁❁

کیا آپ طالبہ ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح نومبر ۲۰۰۲ء، رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ)

حضرت ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ"۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فریضہ ہے۔

(بحار الانوار جلد ۲، ص ۳۲، باب ۹۔ تنبیہ الخواطر، ۲/۱۷۶)

فرائض کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ طالبہ ہیں تو خوش قسمت ہیں کہ آپ ترقی ونجات کے راستہ پر گامزن ہیں۔ آپ اگر تعلیم یافتہ ہوگئیں تو پوری ایک نسل فلاح یافتہ ہوجائے گی۔ آج کی لڑکی آئندہ کل کی ماں ہے۔ ماں جتنی تعلیم یافتہ وسلیقہ مند ہوگی وہ تربیت اولاد اتنا ہی سلیقہ مندی سے کر سکے گی۔ غیر تعلیم یافتہ اور غیر سلیقہ مند ماں نسل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ تو بالکل طے شدہ ہے کہ عورت کو تعلیم یافتہ ہونا چاہئے۔

علم عقل کے دریچے کھولتا ہے علم فکر میں جلا پیدا کرتا ہے۔ علم کا سہارا نہ ہوتو عورت جو خلقۃً کچھ منفی صفات کی مالکہ ہوتی ہے وہ انہیں میں گھری رہتی ہے۔ اور اپنے ماحول کو خراب کئے رہتی ہے۔ ضروری نہیں کہ تعلیم اسے صد فیصد بدل کر رکھ دے۔ لیکن کم وبیش خوشگوار اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ تعلیم سے عورتوں میں حالات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا عورت کو تعلیم یافتہ تو

بہر حال ہونا ہی چاہئے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کون سا علم اس کیلئے مفید ہے۔حق یہ ہے کہ ہر وہ علم اس کے لئے مفید ہے جو آخرت کے تحفظ کے ساتھ اس کی دنیا بھی سنوار سکے۔ جدید علوم سے آراستہ و پیراستہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں۔ عورت بھی ایک گوشت و پوست عقل و ہوش رکھنے والا وجود ہے۔اسے سوچنے سمجھنے زمانہ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے کا پورا حق ہے۔اس کے پاس علم نہ ہوگا تو وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول ہی میں الجھ کر رہ جائے گی لہٰذا وہ تعلیمات اسلامی کے دائرہ میں رہتے ہوئے جتنی جدید تعلیم چاہے حاصل کرلے۔ لیکن اس تعلیم کے حاصل کرنے کا مقصد پیسہ کمانا نہ ہونا چاہئے۔مختلف اقوام کے درمیان رہنے سہنے کی وجہ سے ہمارے یہاں کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ بہت کم مقامات ایسے ہیں جہاں مرد عورت کے مخلوط ماحول کا سامنا نہ ہو چند نجی اسکولوں میں تو کچھ سہولیات ہیں بقیہ جہاں بھی آپ کو ملازمت ملے وہاں ملا جلا ماحول ہوگا کیا مرد کیا عورت یہاں سرکاری ملازمتیں ملنا ہی ایک سخت مرحلہ ہے۔ اور اگر بے انتہا جد و جہد کے بعد ایسی ملازمتیں مل بھی گئیں تو یہ طے شدہ ہے کہ آپ کے کالج یا دفتر کے ساتھی زیادہ تر مرد ہوں گے۔کچھ مردوں کی آپ ماتحتی میں ہوں گی۔ کچھ مرد آپ کے ماتحت ہوں گے۔ ایسے میں اپنا سلامتی تشخص برقرار رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔کام کرنا ہے تو پردہ کی رعایت مشکل ہوگی۔ پردہ کا خیال رکھنا ہو تو کام نہیں ہو سکے گا۔اس صورت میں قدم قدم پر دقتوں کا سامنا ہوگا۔

آپ کو اندازہ نہ ہو تو کرلینا چاہئے کہ اسی مخلوط ماحول کے برے اثرات

نے اپنی قوم کی بعض لڑکیوں کو غیر مسلموں کے گھروں میں پہنچادیا ہے ہمارا ملکی قانون اس میں رکاوٹ نہیں مذہبی قانون پر نظر ہوتی تو ایسی باتیں ہی نہ پیدا ہوتیں۔ جب ایسے افسوسناک واقعات پیش آتے ہیں تو یہ فقط ایک ذات ایک خاندان ایک گھرانہ کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ بلکہ پوری قوم کی رسوائی ہوتی ہے بلکہ ایک نفسیاتی بات یہ ہوتی ہے کہ جس کے نتائج پر توجہ نہیں ہوتی کہ تعلیمی میدان میں لڑکیاں لڑکوں سے آگے ہیں۔ باپ لڑکیوں کی تعلیم پر پیسہ لگانے میں ہچکچاتا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے مفید نتائج سامنے ہوتے ہیں۔ لڑکوں کی تعلیم پر صرف کرنے میں اسے تکلف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بیشتر لڑکے کے تعلیمی نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ لڑکے کی تعلیم پر خرچ کم ہوتا ہے تو اس کی تعلیمی حالت اور چوپٹ ہوجاتی ہے۔ اور اس کے اقتصادیات کا مستقبل متاثر ہوتا ہے ادھر لڑکی تعلیم یافتہ ہوتو جاتی ہے لیکن ملازمت میں وہی مندرجہ بالا زحمتیں ہوتی ہے۔ پھر اسے شادی کے بعد دوسرے گھر بھی جانا ہوتا ہے۔ رشتہ بھی غیر تعلیم یافتہ کو اچھے نہیں ملتے۔ اس لئے اتنی مناسب تعلیم ضروری ہے کہ لڑکی کا رشتہ مناسب ملے اور اس کی تعلیم کی بنیاد پر وہ معاشرہ کے مسائل سے بے گانہ رہنے کے بجائے وہ ان پر نظر رکھے۔

البتہ علم دین وہ ہے جو بنیادی علم ہے۔ اسے حاصل کرنے میں اسے برتنے میں خواتین کو متذکرہ بالا دقتیں بھی نہیں پیغمبرؐ اسلام کا فرمان عام ہے:

''علم (دین) حاصل کرنے کیلئے کوشش کرو۔ یقیناً اس کا حصول نیکی، اس کا مباحثہ تسبیح الٰہی، اور اس کے لئے جدوجہد جہاد ہے۔ جاہل کو علم سکھانا صدقہ، اور علم کی نشر واشاعت رحمت الٰہی سے قربت کا سبب ہے اس لئے کہ حرام وحلال کا

فرق بتانے والا رہنما علم ہے۔ یہ اپنے طالب کو راہ خلد دکھاتا ہے۔ علم مونس تنہائی، سفر کا ساتھی، مشکلات میں رہنما اور دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے''۔

(تحف العقول ۳۲)

یہ مطالبہ بغیر مرد وعورت کی تخصیص کے ہے اور ذیل کا فرمان امام جعفر صادقؑ بھی عمومیت رکھتا ہے:

''علم دین حاصل کرو! تم میں سے جو شخص علم دین نہ حاصل کرے وہ بدو ہے۔ (اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۱)

مختصر یہ کہ آپ سے جتنا ممکن ہو دنیاوی علوم سے آراستہ و پیراستہ ہو جائیں۔ ترقی کریں، معاشرہ میں اپنی ایک حیثیت بنائیں اپنا اور خاندان و ملک وقوم کا نام روشن کریں۔ اپنے علم کی بنیاد پر انہماک وخلوص سے ملک وقوم اور معاشرہ کی خدمت انجام دیں جس میں اخروی ثواب بھی ہے لیکن ترک واجب یا حرام پر عمل کے ذریعہ نہیں۔ پردہ کو ترک کر کے بے حیائی کو گلے لگا کر نہیں۔ تعلیم جب ایسی سرحدوں تک پہنچ جائے جہاں وہ شریعت سے متصادم ہو تو اس کا حاصل کرنا نہیں بلکہ ترک کرنا واجب ہے۔ دنیا چند روزہ ہے آخرت ہمیشہ کی ہے اور نجات آخرت کے لئے واجبی دینی تعلیم ضرور حاصل کریں۔

❁❁❁

کیا آپ معلم ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح دسمبر ۲۰۰۲، شوال المکرم ۱۴۲۳ھ)

اگر آپ استاد ہیں اور شاگردوں کو دولت علم سے مالا مال کرتے ہیں تو اس توفیق خیر پر بار بار اپنے مالک کا شکر ادا کیجئے۔ استاد و شاگرد کا رشتہ انتہائی مقدس ہے استاد روحانی باپ ہے ایک باپ کے دل میں اولاد کے لئے جو جذبات ہوتے ہیں وہی جذبات شاگرد کے لئے استاد کے دل میں ہونا چاہئیں۔ اور جو احترام اولاد کو باپ کا کرنا چاہئے اس سے بھی زیادہ شاگرد کو استاد کی تکریم کرنا چاہئے باپ عالم بھی ہوسکتا ہے اور جاہل بھی جب کہ استاد عالم بھی ہے اور از روئے حدیث باپ بھی۔ لہذا اس کی خصوصی رعایت منطقی عمل ہے۔ خصوصا وہ استاد جو عالم دین اور فقیہ ہو۔

امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ:

(ترجمہ) ”بروز حشر عابد سے کہا جائے گا کہ تو بہترین انسان تھا تو نے فقط اپنی ذات سے کام رکھا اور لوگوں کو مبتلائے زحمت نہیں کیا لہذا جنت میں داخل ہوجا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ فقیہ وہ ہے جو لوگوں پر فیضان خیر کرے انہیں ان کے دینی دشمنوں سے محفوظ رکھے اور نعمات جنت ان کے لئے زیادہ کرے اور جو لوگوں کے

لئے رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ بنے تو روز حشر اس فقیہ سے کہا جائے گا کہ اے یتیمان آل محمدؐ کی پرورش کرنے والے اور ان کے کمزور دوستوں اور محبوں کی ہدایت کرنے والے ذرا اٹھہر جا۔ تو ان لوگوں کی شفاعت کر جنہوں نے تجھ سے فائدہ حاصل کیا۔ اور تجھ سے تعلیم حاصل کی! وہ فقیہ میدان حشر میں رک جائے گا۔ حتی کہ اس کے ساتھ فئام فئام اور فئام یہاں تک کہ دس فئام جنت میں داخل ہوں گے یہ وہی افراد ہوں گے جنہوں نے اس سے علوم حاصل کئے ہوں گے۔ یا اس کے شاگردوں سے یا اسکے شاگردوں کے شاگردوں سے کسب علم کیا ہوگا اور ان میں قیامت تک کے لوگ شامل ہوں گے جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اس سے علمی استفادہ کیا ہوگا پس ذرا غور کرو کہ ان دونوں (عابد و عالم) کے مراتب میں کتنا فرق ہے۔؟ یوم غدیر کے اجتماع کے تعداد کی وضاحت لفظ ''فئام'' سے کی گئی ہے جو (تقریباً) ایک لاکھ تھی۔ (دیکھئے بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۴)

دیکھئے کیا منزلت ہے استاد کی؟ اب اگر آپ استاد ہیں اور خاص طور سے دینی استاد تو آپ کسی عظیم شرف کے حامل ہیں۔ امام حسینؑ کے ایک غیر معصوم فرزند کے بارے میں روایت کی ہے:

''عبد الرحمن سلمی نے امام حسینؑ کے ایک فرزند کو سورہ حمد پڑھنا سکھایا۔ اس نے جب یہ سورہ اپنے پدر بزرگوار کے سامنے دہرایا تو امام نے معلم کو ایک ہزار دینار اور ایک ہزار حلوں سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کے دہن کو موتیوں سے بھر دیا۔ بعض افراد اس بے پناہ بذل و بخشش پر متعجب و معترض ہوئے اور امام سے وضاحت چاہی۔ آپؑ نے فرمایا معلم نے جو تعلیم دی ہے اس کے مقابل اس

مال کی کیا حیثیت ہے۔؟ (دیکھئے سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۶۰۹)

استاد کسی علم کا ہو اس کی تکریم ضروری ہے۔ بالخصوص علم دین سکھانے والے کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ان طلباء سے توقعات خیر کی امید نہیں کی جا سکتی۔ جو اپنے اساتذہ کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں اور ان کے احترام میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں ایسے باغی طلباء خسارے میں رہتے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ آپ اگر استاد ہیں تو طلباء کے لئے جلاد نہ بنئے طلباء ناتراشیدہ پتھر ہوتے ہیں جنہیں تراش خراش کر چمکتا ہوا ہیرا بنانا ہوتا ہے۔ لہذا ان کی تعلیم و تربیت میں ملائمت و ترحم سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے بعض طلباء سرہنگ ہوتے ہیں ملائمت کا رویہ ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ایسے طلباء پر سختی ناگزیر ہوتی ہے۔ لیکن اس سختی میں بھی لطف و محبت کا عنصر غالب رہنا چاہئے نہ یہ کہ طلباء اور اساتذہ حریف بن کر دو متقابل صفوں میں تقسیم ہو جائیں۔ طلباء کے اخلاقیات کو سنوارنے سے پہلے اپنے اخلاقیات کے نوک پلک کا درست کرنا ویسا ہی ضروری ہوتا ہے جیسے اچھے اساتذہ پڑھانے سے پہلے خود درس کا مطالعہ کر کے خود کو درس کے لئے مکمل طور سے آمادہ کر لیتے ہیں۔

طلباء جب ناتراشیدہ پتھر ہیں تو ان میں خامیاں بھی ہوں گی اور ذمہ دار استاد کو انہیں خامیوں کو لگن سے دور کرنا ہے غلط طالب علم کو اپنے درس سے علیحدہ کر دینا یا کسی درسگاہ سے خارج کر دینا اسی صورت میں ہونا چاہئے جب کوئی اور متبادل نہ رہ جائے ورنہ ایسے بہت سے طلباء کی مثالیں موجود ہیں جو درس گاہ سے نکلے ہیں تو ان کا جذبۂ بغاوت انہیں ان منزلوں تک لے گیا ہے جہاں سے واپسی

تقریباً ناممکن ہوگئی۔ اور انہوں نے معاشرے پر اپنے برے دور رس اثرات چھوڑے۔ موقع پر کب کن حالات میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ کسی بیرونی شخص یا بعد کے زمانہ میں آنے والے کونہیں ہوسکتا۔ لہذا یہ قطعی حکم تونہیں لگایا جاسکتا کہ یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ البتہ۔ نتائج کے اعتبار سے اگر آپ دیکھیں کہ مثلاً کوئی دینی طالب علم بغاوت پر اتر آئے۔ اسے کسی درسگاہ سے نکالا جائے وہ کشاں کشاں آزادی کے ماحول کو اس طرح اپنالے کہ خود بھی فلمی دنیا میں نام کمائے اور اولاد کو اتنی کھلی چھوٹ دے دے کہ صنف اناس کی پردۂ سیمیں پر اپنے جسم کی نمائش کو اپنے فن کے کمال کا درجہ دے تو یقیناً غیرت وحمیت قومی کی پیشانی پر رہ رہ کر پسینے کے قطرات ابھریں گے۔ بنت حوا کے اس موڑ تک پہنچ جانے پر یقیناً روح مریم وامثال کی مسلسل تڑپ ناقابل بیان ہوگی۔ اس وقت مقام تاسف میں کم ازکم اتنا تو سوچا ہی جاسکتا ہے کہ کاش کل ایسا نہ ہوا ہوتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔

اساتذہ اپنے سرکش طلباء کے ساتھ اگر دوسرے سختی کے ذرائع استعمال کریں مثلاً ان کے قیام وطعام کے سہولیات پر کچھ پابندی یا بزم درس کے سلسلے میں کچھ قوانین تو ممکن ہے بھٹکے ہوئے راہ راست پر آجائیں بہت جلد ایسے طلباء سے پیچھا چھڑالینا، استاد کی شکست اور اس کا ہتھیار ڈال دینا ہے۔ اور بربادی کی راہ پر چلنے والے کو تباہی کے غار میں گرنے کے لئے کھلی چھوٹ دیدینا ہے۔ نفرت کے مقابلے میں محبت بہت اہم کامیابیاں حاصل کرسکتی ہے لہذا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ استاد شاگرد کے رشتوں کا تقدس مجروح نہ ہونا چاہئے۔ اس کا لطف وہی استاد وشاگرد حاصل کرسکتے ہیں جو وقت گزرنے کے بعد کبھی آمنے سامنے ہوتے ہیں تو ماضی کی یادوں کے سائے میں عقیدت ومحبت وخلوص کا ایک ناقابل تشریح منظر ہوتا ہے۔

کیا آپ شاگرد ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح جنوری ۲۰۰۳، ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۳ھ)

تحصیل علم کے لئے اور اپنے دامن کو حکمت و دانش کے موتیوں سے بھرنے کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ کوئی مصیبت نہیں بلکہ ایک بڑی نعمت ہے عمل کے بغیر انسان جانور سے بھی بدتر ہے۔ یہ احسان ہمیشہ یاد رکھئے کہ علم دے کر استاد نے آپ کو انسان بنایا ہے اب آپ جتنی بھی ترقی کر جایئے آپ کی ترقی کی بنیاد میں استاد کی محنتوں اور کاوشوں کی شمولیت ہمیشہ رہے گی۔

بہت سے مغرور طالب علم ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو علمی میدان میں ذرا سی ترقی کر جاتے ہیں تو اپنے سابقہ اساتذہ کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کو یہ گھمنڈ ہو جاتا ہے کہ میں استاد سے زیادہ پڑھ لکھ گیا ہوں۔ میرے سامنے اب اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ خیرہ چشمی و احسان فراموشی ہے۔ بالکل ابتدائی تعلیم دینے والے کا بھی احسان کچھ کم نہیں ہے یوں سوچئے کہ اس نے ایک بنجر زمین میں علم کا پودا لگایا تھا اسے وہ علم و حکمت کے پانی سے سینچتا رہا تھا جو بعد میں ایک تناور درخت بنا اس حقیقت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہئے کہ بنیاد کو نظر انداز کر کے

کوئی عمارت مضبوط نہیں کہلا سکتی۔

کسی علمی معاملے میں ولو آپ کا موقف صحیح ہو آپ اپنے استاد سے اس معاملے میں زیادہ واقفیت رکھتے ہوں پھر بھی زیادہ قیل وقال سے کام نہ لیجئے۔ احترام استاد یہ ہے کہ استاد کی خدمت میں اپنی بات پیش بھی کیجئے تو حدِ ادب میں اور انتہائی سلیقہ سے عملی بدہضمی کا استفراغ سامنے والے کے لباس کو آلودہ بھی کردیتا ہے اور خود کو بھی متعفن وگندیدہ بنا دیتا ہے۔ استاد بہر حال استاد ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا علم کچھ کم ہو لیکن اس کا تجربہ آپ سے زیادہ ہے۔ لہذا اس پر اپنی علمی برتری کا راگ الاپنے کی کبھی کوشش نہ کیجئے گا۔ اور اگر علم استاد ہی کے پاس زیادہ اور آپ کے پاس فقط ادعائے علم ہے تو استاد کی باتوں میں مین میخ نکالنا جسارت ہے۔ کچھ جاننے کے لئے سوال کرنا اور ہے اور مخاطب کو پریشان کرنے کے لئے سوالات کی بوچھار کی نوعیت دوسری ہے۔ جس کا مشاہدہ گاہے بگاہے ہوتا رہتا ہے۔

قابلیت جھاڑنے کا انداز شاگرد میں بالکل نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ انکساری و لجاجت سے استاد سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کا انداز ہونا چاہیئے۔ اور علم حاصل کرنے کی لالچ میں کبھی کمی نہ ہونا چاہئے۔ سلیم ابن قیس ہلالی نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"منھومان لا یشبعان منھوم فی الدنیا لا یشبع فیھا ومنھوم فی العلم لا یشبع منه" دو لالچیوں کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ ایک دنیا کا لالچی جو اس میں کبھی سیر نہیں ہوتا اور ایک علم کا لالچی کہ اس کی طبعیت اس

سے کبھی سیر نہیں ہوتی۔ (بحار الانوار، جلد ۲، صفحہ ۳۶)

امید ہے کہ آپ شاگرد ہیں تو سوال کرنے اور نکتہ چینی کرنے کے فرق کو آپ سمجھیں گے۔ آپ کے پاس کچھ علم آ گیا ہے تو آپ میں بردباری اور ٹھہراؤ ہوگا۔ اور اگر فقط ادعائے علم ہے تو خالی برتن کی صدا ہوگی یہاں تک استاد سے بھی آپ نامناسب انداز میں آئیں گے۔

اکثر یہ بھی ہوتا ہے اگر کچھ علم حاصل ہو جاتا ہے تو شاگرد استاد پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں ممتاز ہوں اور مجھے نسبتاً بہت کچھ معلوم ہے۔ حجۃ الاسلام میر سعید محمد بہبانی نے دو واسطوں سے آیۃ اللہ شیخ مرتضیٰ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا احوال نقل کیا ہے کہ وہ مقدمات سے فراغت کے بعد تکمیل علم کے لئے حوزہ علمیہ نجف اشرف کا طالب علم بنا اور آیۃ اللہ شیخ انصاریؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا۔ لیکن شیخ کا کوئی علمی بیان دماغ میں نہ سماتا تھا۔ پریشان ہو کر اس نے امیر المومنینؑ سے توسل کیا۔ خواب میں امیر المومنینؑ کی زیارت نصیب ہوئی انہوں نے اس طالب علم کے کان میں بسم اللہ۔۔۔۔۔۔۔ کی تلاوت فرمائی۔ دوسرے ہی دن سے مفہوم درس سمجھ میں آنے لگا۔ اور چند دنوں میں یہ سوالات کرنے کے قابل ہو گیا۔ ایک دن استاد پر اس نے سوالات کی بوچھار کر دی۔ ختم درس کے بعد اسے آیۃ اللہ انصاری نے قریب بلایا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا کہ جس ذات گرامی نے تمہارے کان میں بسم اللہ۔۔۔۔۔۔ کی تلاوت کی تھی اسی ذات اقدس نے میرے کان میں مکمل سورہ حمد کی تلاوت کی ہے۔ اس طالب علم کا بیان تھا کہ میں نے اپنے خواب

کو کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس واقعہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ شیخ انصاریؒ صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ (دیکھئے زندگی و شخصیت شیخ مرتضیٰ، صفحہ ۱۰۴)

استاد میں اگر صفت تحمل بہت زیادہ نہیں ہے تو سوالات پر سوالات سے اس کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ نتیجہ میں آپ اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ لہذا سوالات مناسب حدود میں کیجئے جو حاصل کیجئے اسے ذہن میں محفوظ رکھنے پر زائد توجہ دیجئے۔ استاد کے احترام کو کسی حال میں فراموش نہ کیجئے۔ ایک لائق فرزند کی طرح اس کی خدمت انجام دیتے رہئے۔ استاد شاگردوں سے ذاتی کام لے یہ اچھا نہیں ہے لیکن شاگرد کی سعادتمندی کی یہ دلیل ہے کہ وہ استاد کی ذاتی خدمت میں بھی پس و پیش نہ کرے۔ اس طرح شاگرد استاد سے زیادہ سے زیادہ علم بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کی دعائیں بھی لے سکتا۔

❀❀❀

کیا آپ تعلیم یافتہ ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح فروری ۲۰۰۳ء، ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۳ھ)

عقل کی غذا علم ہے۔ علم سے بے بہرہ انسان بھی کوئی انسان ہوتا ہے۔ جس کے پاس علم نہیں ہوتا اس کی عقل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے۔ انسان کو دوسری ذی حیات مخلوق پر اسی لئے تو فضیلت حاصل ہے۔ کہ انسان صاحب عقل ہے اور بغیر علم کے جب عقل خود تہی دامن ہے تو ایسا انسان تو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ جینے کے لئے کھاتا ہے اور ایک دن مرجاتا ہے۔ علم و عقل کی ہم آہنگی کے سلسلہ میں ارشاد امیر المومنینؑ ہے:

"بہترین ہم نشین تسلیم و رضا، اور شریف ترین میراث علم ہے، اور آداب علمی نو بنو حلے ہیں، اور فکر صاف و شفاف آئینہ ہے" (از کلمات قصار نہج البلاغہ کلمہ ۴)

آپ تعلیم یافتہ ہیں تو صبح و شام شکر خدا کرتے رہیئے اس لئے کہ علم انسانیت کی معراج ہے اور آپ کو خداوند عالم نے یہ توفیق کرامت فرمائی کہ آپ زیور علم سے آراستہ ہو گئے۔۔۔ مگر۔۔۔۔ یہ علم اگر انسانیت کو فائدہ پہنچانے والا ہے تو کیا کہنا۔ اور اگر اس علم کی بنیاد پر آپ نے انسانیت کو نقصان پہنچادیا تو یہ کلاہ علم دو کوڑی کی بھی نہیں۔ وہ لوگ جاہل تو نہیں جو ایسے ایسے خطرناک اسلحے ایجاد کررہے ہیں جو بے گناہ

انسانوں کو چشم زدن میں موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔ انہیں نہ اس کی فکر ہے نہ اس کا احساس ہے کہ ان کے اس عمل سے کتنے گھر سونے ہو گئے۔ کتنی گودیں ویران ہو گئیں کتنے سہاگ اجڑ گئے۔ کتنے بچے یتیم ہو گئے۔ ایسا علم انسانیت کے لئے باعث فخر نہیں سبب عار ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ افراد سے تو پھر وہ جاہل ہی بہتر ہیں جن کے ہاتھ ایسے بھیانک جرائم میں ملوث نہیں ہوتے۔

یہ کیسا علم اور شوق ہے جو انسان کو انسان نہ بنا سکا۔ آج کی جوان نسل کو اپنے کاندھوں پر علم کا علم بلند کرنا ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ اپنے علم کے ذریعہ دوسروں پر اپنی برتری کا اظہار کرے یا علم کو فقط کمانے کھانے کا ذریعہ بنا لے چاہے اس کے ذریعہ انسانی اقدار پامال ہوتے رہیں۔ اگر آپ نے علم حاصل کر لیا ہے تو آپ اس جاہل سے کہیں بہتر ہیں جو جہل کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے زندگی کے شب و روز رواروی میں طے کر رہا ہے۔

مگر اس علم کے حاصل کرنے کے بعد بھی آپ اس مذکورہ جاہل سے بھی بدتر ہیں۔ اگر آپ نے سارے اسباق پڑھ لئے ہیں لیکن انسانیت کا سبق نہیں پڑھا ہے۔ آپ کا پڑوسی درد سے کراہ رہا ہے آپ کے گھر میں کوئی شدت مرض سے سسک رہا ہے آپ کی اس کو ضرورت ہے۔ لیکن آپ اپنی نام نہاد علمی دنیا میں اس طرح کھوئے ہوئے ہیں کہ ہمدردی کا سویا ہوا جذبہ بیدار ہی نہیں ہوتا تو یہ علم نہیں وبال جان ہے۔ آپ ایسے علم سے دنیا کو کیا دے سکیں گے؟ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج جن طبیبوں اور ڈاکٹروں کے پاس علم ہے وہ کسی مجبور کا علاج کر کے اس کی کتنی بھاری رقم وصول کرتے ہیں۔ اور اگر وہ یہ قیمت نہ دے سکے تو وہ اسے تڑپنے اور مرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا یہ انسانیت کی توہین اور علم کی

تذلیل نہیں؟۔ایسے ہی لوگوں کے لئے امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بہت سے عالم ہیں جنہیں ان کا جہل مار ڈالتا ہے۔اور ان کا علم ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا'' (نہج البلاغہ کلمہ ۱۰۷)

آپ ہی کا ارشاد ہے: ''وہ علم بہت بے قدر و قیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند ہے جو اعضاو جوارح سے ظاہر ہو'' (نہج البلاغہ کلمہ ۹۲)

آپ اپنی کارکردگی سے ثابت کریں کہ آپ صاحب علم ہیں۔آپ نے فلاح انسانیت کے لئے حاصل کیا ہے۔لہٰذا زکوٰۃ علم ادا کرتے رہئے۔اور انسان کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے رہئے ورنہ عالم وہ بھی تھے جنہوں نے علم کو کشت و خون کا ذریعہ اور ارض خدا پر فساد برپا کرنے کا وسیلہ بنایا۔اہل علم وہ بھی تھے جنہوں نے بڑی سے بڑی کتابیں لکھ ڈالیں وہ جاہل نہ سہی مگر تجاہل سے پیچھا نہ چھڑا سکے غلط فہمیاں پھیلاتے رہے اور حق وانصاف سے دستکش رہے۔

کیا آپ جاہل ہیں؟

(ماہنامہ اصلاح مارچ ۲۰۰۳ء، محرم الحرام ۱۴۲۴ھ)

جاہل سے یہ منوالینا کہ وہ جاہل ہے بڑا مشکل کام ہے لیکن اگر آپ نے مناسب حد تک درس نہیں حاصل کیا ہے تحصیل علم کے بجائے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات ضائع کر دیئے ہیں تو آپ جاہل ہیں۔ اور گویا ایک بہت بڑی لعنت میں گرفتار ہیں۔

بالخصوص اگر حرام اور حلال کو بتانے والے لازمی علم دین سے بے بہرہ ہیں تو کسی بھی میدان میں آپ لاکھ ترقی کر جائیں آپ سخت گھاٹے میں ہیں۔ آخرت دین کی وجہ سے ہے اور دین جہل کو برداشت نہیں کرتا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''دین چار چیزوں سے اپنی جگہ برقرار رہتا ہے (۱) ایسے عالم کی وجہ سے جو بیان کرنے والا اور اپنے علم پر عمل پیرا ہو۔ (۲) ایسے دولت مند کی وجہ سے جو متدین افراد پر اپنا اضافہ مال خرچ کرنے پر بخل سے کام نہ لے۔ (۳) ایسے غریب کی وجہ سے جو دنیا کے بدلے اپنی آخرت کو بیچنے والا نہ ہو۔ (۴) ایسے جاہل کی وجہ سے جو علم حاصل کرنے میں تکبر نہ کرتا ہو۔ پس جب عالم اپنے علم کو چھپالے۔ دولت مند اپنی دولت کے خرچ میں کنجوسی کرے۔ غریب آدمی اپنی آخرت دنیا کے بدلے فروخت کر دے اور جاہل طلب علم میں غرور کرنے لگے تو

دنیا میں دور جہالت ایک مرتبہ پھر پلٹ آتا ہے۔ پس مسجدوں کی کثرت اور مختلف قوموں کے اجسام کہیں تمہیں دھوکے میں نہ مبتلا کر دیں''۔

(بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ٦)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''تم جاہل کو نہیں دیکھو گے مگر افراط وتفریط کا شکار'' (نہج البلاغہ ۷۰)

میانہ روی سے عاری انسان معاشرہ کا کبھی بھلا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جاہل سے فلاح کی امید نہیں کی جا سکتی۔ جاہل علم حاصل کرنے سے غرور کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے فہم ناقص میں یہ سمجھتا ہے کہ میں بغیر علم کے بھی کسی سے کم نہیں۔ جاہل میانہ روی کی جانب راغب ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ افراط وتفریط کے نقائص کا اسے علم ہی نہیں ہوتا۔ جاہل جہل کی بنا پر بغض وحسد کا بھی شکار ہو جاتا ہے اور یہ سب اخلاقی امراض ہیں۔ جو دامن انسانیت کو داغدار بناتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کا ایک تشریح طلب ارشاد ہے'' الناس اعداء ما جھلوا (نہج البلاغہ کلمہ ۱۷۲) جس چیز کو لوگ نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔

مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم نے اس کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے:

''انسان جس علم وفن سے واقف ہوتا ہے اسے بڑی اہمیت دیتا ہے اور جس علم سے عاری ہوتا ہے اسے غیر اہم قرار دے کر اس کی تنقیص و مذمت کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ جس محفل میں اس علم وفن پر گفتگو ہوتی ہے اسے ناقابل اعتنا سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس سے وہ ایک طرح کی سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور یہ سبکی اس کے لئے ایک طرح کی اذیت ثابت ہوتی ہے اور انسان

جس چیز سے بھی اذیت محسوس کرے گا اس سے طبعاً نفرت کرے گا اور اس سے بغض رکھے گا چنانچہ افلاطون سے دریافت کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ نہ جاننے والا جاننے والے سے بغض رکھتا ہے مگر جاننے والا نہ جاننے والے سے بغض وعناد نہیں رکھتا؟۔ اس نے کہا کہ چونکہ نہ جاننے والا اپنے اندر ایک نقص محسوس کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ جاننے والا اس کی جہالت کی بنا پر حقیر و پست سمجھتا ہوگا۔ جس سے متاثر ہو کر وہ اس سے بغض رکھتا ہے اور جاننے والا چونکہ جہالت کے نقص سے بری ہوتا ہے اس لئے وہ یہ تصور نہیں کرتا کہ نہ جاننے والا اسے حقیر سمجھتا ہوگا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہوتی کہ وہ اس سے بغض رکھے۔ (نہج البلاغہ مترجم صفحہ ٨٦٠)

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: **اطلبوا العلم من المهد الی اللحد**" گہوارے سے قبر تک علم حاصل کئے جاؤ۔

آپ عمر کے کسی حصہ میں ہوں جاہل ہیں تو علم حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑیئے۔ اس لئے کہ جاہل کے لئے نہ دنیا میں ہی رستگاری ہے نہ آخرت میں اس کے لئے بلند درجات ہیں ہمیشہ جہل سے بھی بچیئے جہالت سے بھی بچیئے۔ ''پڑھے لکھے جاہل'' کی اصطلاح آپ نے سنی ہوگی یہ بڑی خطرناک صنف ہوتی ہے۔ علم کا مطلب ہوتا ہے حقائق کی معرفت اور یہ صنف حقائق کو پہچاننے کے بعد بھی ان سے روگردانی کرتی ہے۔ ان تجاہل سے کام لینے والوں کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوگا۔ خدا کے لئے آپ اس صنف میں ہرگز نہ شامل ہویئے گا۔ یہ آیات قرآنی اور ان کے معنی سے واقف ہیں لیکن مصداق کو پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ تاریخ میں منبر غدیر پر عین دوپہر میں رسول کو بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ ان کے ارشاد سے

واقف ہیں۔ لیکن ارشادِ رسولؐ کی مراد سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں یہ کربلا میں سرراہ سرِ حسینؑ کی تلاوت قرآن سے واقف ہیں۔ لیکن قربانیٔ حسینؑ کے بنیادی محرکات کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہنے کو آپ انہیں عالم کہہ لیجئے۔ لیکن یہ تو جہلا سے بھی بدتر ہے۔